سعادت حسن منٹو



کروٹ

کروٹ

سعادت حسن منٹو

مکتبۂ شعر و ادب لاہور
۷، ڈی بلاک سی سمن آباد

ناشر	نواز
اہتمام	سرفراز احمد
مطبع	اشرف پریس لاہور
قیمت	15 روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ اُردو اَدب

بازار ستھاں اندرون لوہاری گیٹ لاہور

اپنی تمام بُری عادتوں کے نام

کروٹ

(میز پر کھانا چننے اور چھُری کانٹے رکھنے کی آواز)

بیوی۔ چلیئے کھانا تیار ہے۔

میاں۔ ذرا ٹھہرو۔ مجھے ایک مہمان کا انتظار ہے۔

لڑکی۔ کون آرہے ہیں؟

میاں۔ تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا —— ایک عورت آنے والی ہے۔

بیوی۔ عورت؟

میاں۔ ہاں جو ہماری ہمسایہ ہے۔

لڑکی۔ ہمارے پڑوس میں تو کوئی عورت نہیں رہتی۔

میاں۔ بھولتی ہو۔

بیوی۔ ایک ولیشیا ہے جو کچھ دنوں سے ساتھ والے مکان میں رہتی ہے سارا
دن اُودھم مچائے رکھتی ہے۔ وہ تو ہو نہیں سکتی۔

میاں۔ وہ کیوں نہیں ہو سکتی؟

بیوی۔ اس لیے... اس لیے کہ.... وہ ایک بازاری عورت ہے۔
لڑکی۔ سب اُسے نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔
میاں۔ چونکہ سب اُسے نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اس لیے میں نے اُسے دعوت دی ہے اور اپنے یہاں بلایا ہے۔
بیوی۔ لوگ کیا کہیں گے؟
میاں۔ یہ کہیں گے کہ میں نے ایک گندی عورت کو اپنے گھر بلایا ہے اور اُسے اپنی بیوی اور لڑکی کے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا اُس سے باتیں کیں اور پھر رخصت کر دیا۔
لڑکی۔ کوئی مصلحت ہو گی اس میں!
میاں۔ مصلحت صرف یہ ہے کہ وہ اپنی اصلاح کر سکے میں تم دونوں سے کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ انسان کی ہر وقت اصلاح ہو سکتی ہے اس لیے کہ اس میں نیکی کا جوہر کبھی فنا نہیں ہو سکتا۔ خطرناک سے خطرناک مجرم کے سینے میں بھی کسی کونے کے اندر نور کا ایک ذرہ ہوتا ہے جسے اگر ابھارا جائے تو اس کے سیاہ دل کو منور کرنے کا موجب ہو سکتا ہے یہ ولیشیا جو تھوڑے دنوں سے ہمارے پڑوس میں آئی ہے صرف جسمانی طور پر خراب ہے۔ رُوح ایک پاکیزہ چیز ہے اسے کوئی طاقت ملوث نہیں کر سکتی۔ خراب افعال سے صرف پردے کے پیچھے چھپ جاتی ہے جتنا زیادہ انسان برائیاں کرتا ہے اتنا ہی زیادہ یہ پردہ موٹا ہوتا جاتا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا ضمیر جو رُوح کا دوسرا اور آسان نام ہے مر جاتا ہے۔ اس پردے کو اگر آہستہ آہستہ یا ایک دم ہٹا دیا جائے تو اس انسان کا دل و دماغ پھر سے روشن ہو سکتا ہے ———

بیوی۔ کیا آپ اس عورت کی اصلاح کر سکیں گے؟
میاں۔ اگر ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہو سکتا ہے تو ایک انسان دوسرے انسان کو نیکی کا راستہ ضرور دکھا سکتا ہے۔ یہ نیک کام مجھ سے ہو جائے تو مجھ سے خوش نصیب انسان اور کون ہو گا۔ دعا کرو کہ ایسا ہی ہو۔
لڑکی۔ پھر بھی اس کا یہاں آنا مجھے پسند نہیں۔
میاں۔ لڑکی تجھے اس خیال سے ہی کانپنا چاہیئے کہ تو ایک انسان سے نفرت کر رہی ہے ــــ تجھے یاد نہیں ایسی ہی ایک ویشیا کو سنگسار کرنے والوں سے حضرت عیسیٰ نے کہا تھا "تم میں سے جو گنہگار نہیں وہ اسے پتھر مار سکتا ہے"۔ ہم سب گنہگار ہیں اس لئے ہمیں کسی کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔
لڑکی۔ اگر وہ واقعی اچھی ہو جائے تو اس سے بہتر اور کیا ہو گا لیکن سوال یہ ہے کہ آیا وہ بھی اچھا بننا چاہتی ہے!
بیوی۔ دیکھیں گے۔
میاں۔ کوئی کام شروع کرنے سے پہلے آدمی کو اپنے اوپر اعتماد ہونا چاہیئے جب سے وہ یہاں آئی ہے میں سوچ رہا ہوں اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے یہی سوچ رہا ہوں کہ مجھ میں کیا اس کام کا بیڑا اٹھانے کی طاقت ہے؟ــــ آج پندرہ سولہ روز کے مسلسل غور و فکر کے بعد جب میں نے محسوس کیا کہ میں یہ کام کر سکتا ہوں تو میں اس کے پاس گیا مجھے دیکھ کر گھبرا گئی جب میں نے اس سے کہا... آج رات ہمارے گھر آؤ اور شام کا کھانا میری بیوی اور لڑکی کے ساتھ کھاؤ تو وہ بھونچکا سی گئی ــــ میں نے محسوس کیا کہ اس روشنی میں جو اس کے اندر دبی پڑی ہے ایک ارتعاش سا پیدا ہوا۔ اس نے بڑی کوشش سے اپنے لہجے میں

شرافت پیدا کی اور جواب دیا "آپ کی بہت مہربانی۔ میں حاضر ہو جاؤں گی"
(دُور سے ایک فحش قسم کا ریکارڈ بجنے کی آواز آتی ہے ریکارڈ بجنے کے چند لمحات بعد ہی مردانہ قہقہوں کا شور سنائی دیتا ہے۔ جیسے دو تین مرد شراب پی کر گاتے کا لطف اٹھا رہے ہیں۔ یہ آوازیں دُور سے آ رہی ہیں)

بیوی۔ اب وہ حاضر ہو چکی ——— یہ شور سنا آپ نے؟

میاں۔ سُنا ——— لیکن میں مایوس نہیں ہوا۔

بیوی۔ میرا کہا مانیے اور اس کی اصلاح کا خیال چھوڑ دیجیے۔

لڑکی۔ اور مالک مکان سے مل کر اُسے یاہر نکالنے کی کوشش کیجیے۔

بیوی۔ میں سنتی ہوں کہ مالک مکان کو اس بات کی کچھ خبر ہی نہیں کہ اس کا مکان ایک بازاری عورت نے کرائے پر لیا ہے۔

میاں۔ یہاں سے نکال دی جائے گی تو کہیں اور جا رہے گی۔

لڑکی۔ کم از کم یہاں کی غلاظت تو دُور ہو گی۔

میاں۔ اپنے گھر کا کوڑا کسی اور گھر کے آگے ڈھیر کر دینا عقلمندی نہیں ——— کیوں نہ اس غلاظت ہی کو ہمیشہ کے لیئے دُور کرنے کی کوشش کی جائے۔

بیوی۔ آپ نے کوشش کی تھی۔ مگر وہ نہیں آئی۔

میاں۔ میں ایک بار پھر کوشش کروں گا۔

(عقب میں فحش گانے اور قہقہوں کا شور اُبھرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ منظر تبدیل ہو گیا ہے اور ہم سامعین کو ولیشیا کے مکان میں لے گئے ہیں ——— ریکارڈ ختم ہوتا ہے)

ایک مرد۔ واہ وا ـــــ واہ وا ـــــ واہ وا ـــــ
دوسرا مرد۔ کیا کہنے ہیں سُندری بائی کے۔
تیسرا مرد۔ کیا ہے جو یہاں نہیں ہے، شراب، ٹھنڈا سوڈا، نئی نئی فلموں کے ریکارڈ ـــــ سُندری بائی کا کوٹھا تو عجائب گھر ہے عجائب گھر۔
پہلا مرد (ہنستا ہے) عجائب گھر میں شراب، ٹھنڈا سوڈا اور نئی فلموں کے ریکارڈ کہاں ـــــ جو بات کرے گا سالے عجیب ہی کرے گا۔
(سب ہنستے ہیں)
سُندری۔ میرا کوٹھا عجائب گھر نہیں تو چڑیا گھر ضرور ہے۔
(سب ہنستے ہیں)
پہلا مرد۔ رنگ رنگ کے جنور آتے ہیں۔
تیسرا مرد سُندری بائی۔ یہ بات ٹھیک نہیں۔ ہمیں جنور بنا دیا ـــــ کیا ہم جنور دکھائی دیتے ہیں۔
سُندری (مُسکرا کر) چڑیا گھر میں شیر بھی تو ہوتے ہیں۔ خان صاحب۔
پہلا مرد (اپنے ساتھی کی پیٹھ ٹھونک کر) واہ میرے شیر ـــــ!
(سب ہنستے ہیں)
تیسرا مرد۔ باتیں کرنا کوئی سُندری بائی سے سیکھے۔
سُندری۔ اجی کہاں باتیں کرنا آتی ہیں ـــــ آج ایک ڈاڑھی والے بزرگ آئے۔ ان کے سامنے تو میں بالکل گونگی ہو گئی تھی۔
پہلا مرد۔ کیا کرتے آئے تھے مولانا؟
سُندری۔ کہتے تھے، آؤ، رات کا کھانا ہمارے گھر کھاؤ۔

تیسرا مرد۔ آدمی مہمان نواز ہے۔
پہلا مرد۔ جو بات کرو گے اُلٹی۔ گدھے چُغد کہیں کے۔ مہمان نو وہ خود تھا سُندری بائی کا۔ ہاں تو سُندری بائی پھر کیا ہُوا۔ پیٹ بھرا تم نے اس کا؟
سُندری نہیں وہ سچ مچ دعوت ہی دینے آیا تھا۔ یہ سامنے مکان ہے اس کا۔
دوسرا۔ کیا کہتی ہو سُندری۔ ارے وہ تو بہت بڑے وہ ہیں...
تیسرا۔ کیا مطلب؟
دُوسرا۔ وہی.... یعنی بڑے نیک آدمی ہیں.... کیسے آ گئے یہاں؟
سُندری۔ بات یہ ہے کہ میرا آنا جانا یہاں لوگوں کو بہت ناگوار گذر رہا ہے نگوڑے چاہتے ہیں کسی نہ کسی طرح مجھے اس مکان سے دھکا مل جائے اب کیا بتاؤں تم لوگوں نے ناک میں دم کر دیا پڑوس کے لونڈوں نے کوٹھوں پر چڑھ چڑھ کے کوڑا کرکٹ پھینکے ہیں۔ ذرا باہر نظر ڈالو۔ یہ سب ہڈیاں آج ہی پھینکی گئی ہیں۔ اب کل سویرے بھنگن آئے گی تو اٹھواؤں گی... میرا خیال ہے کہ وہ بھی اسی لیے آیا تھا۔ مردود۔ یوں تو کھانے کی دعوت دے گیا تھا۔ جاتی تو ہیں ہیں چٹکیاں لے کر یا تو نصیحتیں کرتا یا فصیحتیں۔
تیسرا آدمی۔ اجی ہٹاؤ سالے کو۔
دوسرا آدمی۔ اچھا ہوا جو تم نہ گئیں۔ اگر چلی جاتیں تو بندہ جنگل کی راہ لیتا۔ میاں سُندری کا دم بہت غنیمت ہے۔
پہلا آدمی۔ کیا شک ہے!
سُندری۔ آگ لگے سُندری اور اس کے دم کو۔ کہیں بھی تو چین نہیں ملتا نگوڑ ماری کو۔ دربدر کی ٹھوکریں لکھی ہیں نصیب میں۔ دیکھ لینا یہاں سے بھی چند

دنوں کے بعد یہ لوگ نکال باہر کریں گے۔ اب میں کیا کہوں۔ ان سے کسی سے ملتی نہیں۔ کسی سے کچھ لیتی نہیں دیتی نہیں۔ پھر جانے کیوں مجھ نگوڑماری کی جان کے پیچھے پڑے رہتے ہیں —— ادھر تم لوگوں کی خوشامد کروں ادھر ان کے آگے ہاتھ جوڑوں۔۔۔ دو مہینے کا کرایہ پورے اسّی روپے پیشگی منشی ٹھونک بجا کر لے گیا تھا پھر اس مکان کا دروازہ کھولا گیا تھا —— کچھ بھی ہو، اب میں نے بھی تہیہ کر لیا ہے۔ مر جاؤں، پر اس مکان سے کبھی نہ نکلوں گی۔

(دروازے پر دستک ہوتی ہے)

پہلا۔ یہ کون؟

سُندری۔ ہوٹل کا چھوکرا ہوگا۔

دوسرا آدمی۔ ہاں۔ خالی بوتلیں لینے آیا ہوگا۔

(دروازہ کھلتا ہے)

سُندری۔ کون ہو تم؟

میاں۔ میں نے میری بیوی نے اور میری لڑکی نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔ تمہارے منتظر تھے۔

سُندری۔ مجھے فرصت نہیں ہے، جاؤ۔

میاں۔ کتنی دیر میں فرصت ہو جائے گی ہم ایک دو گھنٹے اور انتظار کر سکتے ہیں۔

سُندری۔ تم دیکھتے نہیں۔ یہاں کون بیٹھے ہیں۔

میاں۔ دیکھ رہا ہوں۔ میرے بھائی ہیں۔ یہ بھی ساتھ چلیں۔

سُندری۔ اپنے ان بھائیوں کو ساتھ لے جاؤ۔ میں نہیں جاؤں گی۔

میاں۔ کیوں؟

سُندری۔ بس میں نہیں جاؤں گی۔ یہ تم ہندی کی چندی کیا کرتے ہو۔
میاں۔ معافی چاہتا ہوں ... لیکن ایک بار پھر درخواست کروں گا کہ تم اپنا وعدہ پورا کرو۔ ہم دو گھنٹے اور تمہارا انتظار کر سکتے ہیں۔
سُندری (لہجے میں تُندی اور تلخی پیدا ہو جاتی ہے) تم چاہتے کیا ہو مجھ سے — دفان کیوں نہیں ہوتے یہاں سے — یہ جنہیں تم اپنا کہتے ہو، اوّل درجے کے شرابی کبابی ہیں — سُنا — یہ میرے گاہک ہیں میں ان کے پاس اپنا آپ بیچتی ہوں — سمجھے — میں ایک بازاری عورت ہوں — ایک ویشیا کیا چاہتے ہو تم مجھ سے؟ میں کسی کے گھر نہیں جایا کرتی۔ میری سجی سجائی دوکان موجود ہے لوگ خود چل کر یہاں آتے ہیں ... جو مال بیچتی ہوں تمہیں خریدنا ہے تو آؤ اپنے ان بھائیوں کے ساتھ بیٹھ جاؤ — ایک بوتل شراب کی منگاؤ، پیو اور پلاؤ ....
دوسرا آدمی۔ سُندری ....
سُندری۔ خاموش رہو ... تنگ کر رکھا ہے ان شریف آدمیوں نے مجھے — آج تو مجھے جی ہلکا کر لینے دو ... دن اور رات کے کھانے پر ان کے یہاں جو ہڈیاں جمع ہوتی ہیں میرے گھر کے صحن میں پھینک دی جاتی ہیں جو کوڑا اکٹھا ہوتا ہے ادھر لڑھکا دیا جاتا ہے۔ انسان کو انسان ہی نہیں سمجھا جاتا — اب مجھے دعوت دی جا رہی ہے۔ کیوں؟ — کیا زہر دینے کا ارادہ ہے؟
میاں۔ مجھے افسوس ہے بعض لوگوں کی جہالت کے باعث تمہیں دُکھ پہنچا جو کوڑا تمہارے گھر پھینکا جاتا ہے، کہو تو میں ہر روز جھاڑو دے کر صاف کر دیا کروں۔
سُندری۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں — جاؤ۔ یہاں سے دفان ہو جاؤ — جاؤ۔
دوسرا آدمی۔ سُندری۔

سندری۔ سنتے ہو کہ نہیں ـــــ میں کہتی ہوں بھاگ جاؤ یہاں سے ـــــ
دوسرا آدمی۔ سُندری ـــ خاموش ہو جاؤ اب ـــ (دوسری طرف مخاطب ہو کر) آپ
اس وقت تشریف لے جائیے۔ چڑھ گئی ہے اس کے دماغ کو۔
سُندری۔ چڑھ گئی ہے میرے دماغ کو۔۔۔ چلو ایسا ہی سہی ۔۔۔۔ اب جاؤ ٹُکر ٹُکر
میرا منہ کیا دیکھتے ہو۔ کیا اور بے عزّتی کرانا چاہتے ہو؟
میاں۔ میری تم نے کوئی بے عزتی نہیں کی ـــــ میں پھر آؤں گا۔
سُندری۔ اس وقت تو جا (زور سے دروازہ بند کر دیتی ہے)
دوسرا آدمی (توقف کے بعد) سُندری یہ تم نے کیا کیا ـــ چ چ چ چ ـــــ
بعض دفعہ تم حد ہی کر دیتی ہو۔
سُندری۔ بکواس مت کرو۔۔۔۔
(وہی ریکارڈ لگاتی ہے جو پہلے بجایا گیا ہے ـــــ چند گردو بجاتے
کے بعد اس کو آہستہ آہستہ دھیما کر دیا جائے۔ جب ذیل کا مکالمہ شروع ہو، تو
عقب میں اس ریکارڈ کی آواز آتی رہے)
لڑکی۔ معلوم ہوتا ہے۔ انہیں ناکامی ہوئی ہے۔
بیوی۔ ریکارڈ جواب بجنا شروع ہوا ہے۔ اس سے یہی پتہ چلتا ہے۔
لڑکی۔ جب نہ تب یہی رکارڈ بجایا جاتا ہے۔ میں تو سنتے سنتے تنگ آگئی ہوں
کم بخت ٹوٹ بھی نہیں چکتا۔
بیوی۔ نہ کبھی یہ ٹوٹے گا نہ کبھی یہ بیسوا یہاں سے دفان ہو گی۔
(رکارڈ ختم ہوتا ہے شرابیوں کے قہقہے کی آواز)
لڑکی۔ جانے کس بات پر اتنی ہنسی آتی ہے انہیں؟

بیوی۔ مذاق اڑا رہے ہیں تمہارے باپ کا؟

(دروازہ کھولنے کی آواز)

میاں۔ میرا کسی نے مذاق نہیں اڑایا۔ وہ تو بہت شریف آدمی ہیں۔

بیوی۔ کون؟

میاں۔ وہی جو اس عورت کے پاس بیٹھے ہیں میں گیا تو انہوں نے میری بڑی عزت کی۔

بیوی۔ آپ کے ساتھ وہ آئی تہیں۔

میاں۔ اپنے مہمانوں کو چھوڑ کر کیسے چلی آتی۔

لڑکی۔ ضرور اس نے انکار کیا ہوگا؟

میاں۔ آدمی بعض دفعہ جلدی میں غلط فیصلہ کر لیتا ہے بعد میں اس کو بدل بھی دیتا ہے۔

بیوی۔ چلئے۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔

میاں۔ میں نہیں کھاؤں گا —— تم دونوں کھالو۔

لڑکی۔ اس عورت نے تو آپ کا کھانا پینا اور سونا حرام کر دیا ہے لعنت بھیجئے...

میاں۔ لڑکی وہ انسان جو دوسرے انسان پر لعنت بھیجے انسان کہلانے کا کبھی مستحق نہیں ہو سکتا۔ وہ بیچاری پہلے ہی ایک لعنت میں گرفتار ہے۔ اب اس پر تم لعنتیں بھیجنا چاہتی ہو۔ دنیا میں لعنتوں کی فراوانی اسی وجہ سے تو ہے —— جاؤ کھانا کھاؤ اور آرام کرو۔

(دور سے لڑنے جھگڑنے کی آوازیں آتی ہیں ان آوازوں میں شمشتدری کی آواز بھی شامل ہے)

بیوی۔ یہ کیا ہوا؟

لڑکی۔ شریف آدمی اپنی شرافت دکھا رہے ہیں۔

(شور شدت اختیار کر جاتا ہے)

بیوی۔ یہ تو کوئی بہت بڑا فضیحتا معلوم ہوتا ہے۔

میاں۔ میں جا کے دیکھتا ہوں۔

بیوی۔ نہیں۔ آپ نہ جائیے....

لڑکی۔ شرابی ہیں، نشے میں کوئی چیز ہی رے ماریں گے....

بیوی۔ یہ جھگڑا تو معلوم ہوتا ہے اپنے پڑوسیوں سے کر رہی ہے۔

میاں۔ وہ ستاتے جو رہتے ہیں۔ میں ان کو سمجھاتا ہوں)۔

(دُور سے آواز آتی ہے کسی مرد کی جو سُندری کو روکنا چاہتا ہے) "سُندری سُندری ــ سندری... رُک جاؤ... ٹھہرو ــ سندری...." ساتھ ہی تیز قدموں کی دبی دبی چاپ بھی سنائی دیتی ہے ــ پھر ایک دم دروازہ زور سے کھلتا ہے اور مائیکروفون کے بالکل پاس ہی وہی مرد "سُندری" پکارتا ہے۔

سُندری (سانس چڑھا ہوا ہے) یہ کیا تماشا بنا رکھا ہے تم اشرافوں نے.... ایک پل کے لیے مجھے چین نہیں لینے دیا جاتا... کیا بگاڑا ہے میں نے تم لوگوں کا... بتاؤ بتاتے کیوں نہیں؟... بڑے بھولے بڑے شریف بنتے ہو پر یہ سارے کانٹے تمہارے ہی تو بوئے ہوئے ہیں۔ آئے تھے مجھے کھانے کی دعوت دینے ــ دو گھنٹے میرا انتظار کرنے کو تیار تھے، پر ان حرامی لونڈوں کو پتھر دے کر بھیجنے میں تم نے ایک منٹ دیر نہ کی... دیکھتے ہو میرا ماتھا... دیکھتے ہو یہ لہو... ڈوب مرنا چاہیئے تمہاری شرافت کو۔

دوسرا آدمی۔ سُندری اب چلو یہاں سے۔

سُندری۔ تم ڈرتے ہو؟... اس بے ایمان اور دھوکے باز سے ڈرتے ہو...

سامنے کھڑی ہو ... نوچ ڈالوں اگر ایک لفظ بھی منہ سے نکالے --- ہڈی سے
اُلجھنے کا مزا چکھا دوں تو میرا نام سُندری نہیں ... ناک میں دم آگیا ہے میرا
ہر روز ایک نیا طریقہ مجھے چھیڑنے کا نکالا جاتا ہے ہر روز میرے گھر میں
گندگی پھینکی جاتی ہے یہ سُن لو، اگر پھر کبھی مجھے یوں ستایا گیا تو مجھ سے کوئی
بُرا نہ ہوگا۔ تمہاری ان ایک بیویوں کی زندگی دُوبھر کردوں گی ....

میاں۔ غصّہ ٹھنڈا ہو گیا ---- اب مجھے بتاؤ بات کیا ہوئی۔

سُندری (اور زیادہ خشم آلود ہو کر) میرا غصّہ اس وقت ٹھنڈا ہوگا جب تمہارے
منہ پر تھوک دُوں گی ---- تھو....

دوسرا آدمی (گھبرا کر) سُندری ....

سُندری۔ بکو نہیں .... سُنا۔ اب میرا غصّہ ٹھنڈا ہوا ہے۔

میاں (بڑے تحمّل کے ساتھ) تو بیٹھ جاؤ اور ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ۔

سُندری۔ تم .... تم .... (جذبات کی شدّت کے باعث رو دیتی ہے اور تیز قدمی سے
باہر چلی جاتی ہے۔ دروازہ زور سے بند ہوتا ہے۔ قدموں کی چاپ چند
لمحات جاری رہتی ہے --- رونے کی آواز بھی ساتھ ساتھ آتی ہے ---
اس کا مطلب یہ ہے کہ سندری اپنے گھر جا رہی ہے۔

دوسرا آدمی۔ سُندری۔

سندری (روتے ہوئے) چپ رہو۔

دوسرا آدمی۔ تم نے بہت غلطی کی۔

سُندری (روتے ہوئے) میں کہتی ہوں، چپ رہو... چپ رہو... چپ رہو۔

دوسرا آدمی۔ کتنا شریف آدمی ہے۔

سُندری ۔ سات جھاڑو اور حقے کا پانی اس کی شرافت پر ۔

دوسرا آدمی ۔ کبھی کبھی تم بالکل آپے سے باہر ہو جاتی ہو . . . .

سُندری (روتے ہوئے) دُور ہوتے ہو نہیں یہاں سے . . . . (دھکے دے کر اس کو باہر نکال دیتی ہے) خبردار پھر یہاں کبھی نہ آنا . . . جاؤ . . . جاؤ . . . . دروازہ زور سے بند کر دیتی ہے اور خود پھوٹ پھوٹ کے رونا شروع کر دیتی ہے) . . . کبھی کبھی میں بالکل آپے میں نہیں رہتی . . . میرا دل پتھر کا تو نہیں ہے . . . . اور یہ چوٹ جو میرے ماتھے پر لگی ہے . . . . اور یہ لہو . . . میں اس کا بدلہ نہ لیتی . . . تھوک ہی تو پھینکی تھی میں نے، بھالا تو نہیں مار دیا تھا . . . . بیٹھ جاؤ اور کھانا کھا کے جاؤ . . . جیسے مجھے کھانے کو کچھ ملتا ہی نہیں بھکارن ہوں . . . (روتی ہے) . . پاجی کہیں کا . . . . (اس ریکارڈ پر سوئی رکھتی ہے ریکارڈ بجنا شروع ہوتا ہے . . . . سُندری کی سسکیاں بھی ساتھ ساتھ سنائی دیتی ہیں) . . . مردود . . . . دھوکے باز . . . (چند سیکنڈ ریکارڈ اور بجتا ہے سندری ضمیر کی سرزنش سے اکتا کر چلا اٹھتی ہے) نہیں نہیں . . . نہیں . . . (ریکارڈ ایک دم اٹھا لیتی ہے اور زمین پر پٹک دیتی ہے پھر پھوٹ پھوٹ کے رونا شروع کر دیتی ہے ۔ رونے کی یہ آواز آہستہ آہستہ تحلیل کر دی جائے گی ۔)

وقفہ

بیوی ۔ آج کئی روز سے ریکارڈ نہیں بجا ۔

لڑکی ۔ شور وغیرہ بھی سنائی نہیں دیا ۔

میاں ۔ پتہ نہیں کیا بات ہے ۔ تین چار دفعہ اس کے یہاں گیا ہوں ۔۔ اندر سے

دروازہ بند ہوتا ہے دستک دیتا ہوں ۔ پر کوئی بولتا ہی نہیں۔

بیوی ۔ شاید بیمار ہوں ۔

میاں ۔ میں نے یہی سوچا تھا اور اسی لیے گیا بھی تھا پر اُس نے دروازہ ہی نہیں کھولا۔

لڑکی ۔ اس نے آپ سے اس روز جو سلوک کیا....

میاں ۔ بھول جاؤ، اس کو، ایسی باتیں کبھی یاد نہیں رکھنی چاہئیں ۔

بیوی ۔ کیا آپ کا ابھی یہی خیال ہے کہ اسے سدھارا جا سکتا ہے ؟

میاں ۔ قطعی طور پر ۔

بیوی ۔ کیسے ؟

میاں ۔ قدرت خود بخود کوئی راستہ پیدا کر دے گی ۔

(دروازے پر دستک ہوتی ہے)

بیوی (لڑکی سے) بیٹی ! دیکھو تو کون ہے ؟

میاں ۔ تم بیٹھو ۔ میں دیکھتا ہوں ۔

(قدموں کی چاپ — دروازہ کھولنے کی آواز)

میاں ۔ آؤ.... آؤ — آجاؤ —

سُندری (شرمندگی کے احساس کے ساتھ) میں.... میں....

میاں ۔ کئی بار تمہارے مکان پر گیا ۔ مگر شاید تمہاری طبیعت علیل تھی ۔

سُندری (رندھی ہوئی آواز کے ساتھ) مجھے.... مجھے معاف کر دیجئے !

میاں (مسکرا کر) کس بات کی معافی مانگتی ہو.... آؤ، بیٹھو.... تم نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے مجھے رنج پہنچا ہو۔

سُندری ۔ میں نے اس روز بڑا پاپ کیا ۔ مجھے معاف کر دیجئے (پاؤں پڑتے ہی

رونا شروع کر دیتی ہے)

میاں۔ ارے... ارے... یہ کیا.. سُندری اُٹھو... مجھے گنہگار نہ کرو۔

سُندری۔ آپ ایک بار کہہ دیجئے کہ میں نے معاف کر دیا۔

میاں۔ لو بھئی کہہ دیا... اُٹھو اب....

سندری (سسکیاں)... اتنے روز مجھے نیند نہیں آئی... بس سوچتی رہی... کیا کیا خیال مجھے نہیں آئے... کئی بار سوچا کچھ کھا کے مر جاؤں....

میاں۔ خودکشی کمزور آدمی کرتے ہیں۔

سُندری۔ مَیں تو ضرور کر لیتی اگر مجھ میں ہمت ہوتی۔

میاں۔ یہ ہمت ہی کمزوری کا دوسرا نام ہے۔

سُندری۔ مجھے معاف کر دیا نہ آپ نے؟

میاں (مسکراتا ہے) ہاں کر دیا... آؤ بیٹھو۔

سُندری۔ میں بس معافی مانگنے اور یہ کہنے آئی تھی کہ میں کل یہاں سے چلی جاؤں گی۔

میاں۔ سُنو تو... سُنو تو...

(قدموں کی چاپ)

میاں۔ چلی گئی.... (وقفہ) خیر....

لڑکی۔ کیا یہ وہی عورت تھی؟

میاں۔ وہی۔ بالکل وہی، مگر تم نے انقلاب دیکھا؟... چند ہی دنوں میں کیا سے کیا ہو گئی ہے۔

لڑکی۔ آج چہرے پر پوڈر سُرخی بھی نہیں تھی۔

میاں (وقفہ) مگر یہاں سے جا کیوں رہی ہے؟

بیوی۔ کیا کرے گی یہاں رہ کر ۔۔ شاید کہیں باہر جا کر شریفانہ زندگی بسر کرے۔
میاں۔ شریفانہ زندگی یہاں رہ کر بھی بسر کر سکتی ہے... مجھے اس کو سمجھانا چاہیئے۔
کہاں دربدر ماری ماری پھرے گی... اس کو یہ بیوقوفی نہیں کرنی چاہیئے۔
بیوی۔ اب آپ اُسی کے پاس جا رہے ہیں۔
میاں۔ ہاں۔
(قدموں کی چاپ چند لمحات پر ۔۔ اس کے بعد دستک)
سُندری (اندر سے آواز آتی ہے) کون ہے؟
میاں۔ میں....
(دروازہ کھُلتا ہے)
میاں۔ اندر آسکتا ہوں؟
سُندری (گھبراتے اور جھینپتے ہوئے) آیئے... آیئے!
(دروازہ بند ہوتا ہے)
میاں۔ تم نے تو سچ مچ جانے کی تیاری کر لی۔
سُندری۔ جی ہاں ۔۔ کل چلی جاؤں گی۔
میاں۔ کہاں جاؤ گی؟
سُندری۔ چلی جاؤں گی کہیں... اس زندگی سے اب نفرت ہو گئی ہے۔
میاں۔ اتنی جلدی؟
سُندری۔ آدمی کو بدلتے دیر کیا لگتی ہے۔
میاں۔ تم جاؤ نہیں.... یہیں رہو۔
سُندری۔ جی نہیں ۔۔ اب میں یہاں نہیں رہوں گی۔

میاں۔ میں تھوڑی دیر کے لیے یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔
سُندری۔ کیوں نہیں ــــ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔۔ شوق سے بیٹھیے۔
میاں (رُک رُک کر) نہیں ــــ میرا آنا تمہیں ناگوار گذرا ہے۔
سُندری۔ جی نہیں ــــ ناگوار کیوں گذرنے لگا۔۔۔ آپ۔۔۔ آپ۔۔۔ تشریف رکھئے۔
میاں (بیٹھ جاتا ہے۔۔۔۔ تم بہت اچھی ہو)
سُندری۔ جو آپ، اچھے ہوتے ہیں وہ بُروں کو بھی اچھا سمجھتے ہیں۔
میاں۔ تم میں کیا بُرائی ہے؟ ــــ ایک تھی سو دُور ہو گئی۔۔۔ اب آرام سے زندگی بسر کرو۔ یہاں سے جانے کی کیا ضرورت ہے تمہیں کوئی نہیں ستائے گا میں اس کا وعدہ کرتا ہوں۔
سُندری۔ آپ کی بہت مہربانی۔ لیکن یہاں میرا گذر کیسے ہوگا۔۔۔ کسی گھر میں آپ مجھے نوکر کرا دیں۔۔۔۔ لیکن مجھے نوکر کون رکھے گا؟۔۔۔
میاں۔ یہاں میرے پاس بیٹھ جاؤ۔۔۔ بیٹھ جاؤ۔۔۔ (سندری جھجکتی جھجکتی پاس بیٹھ جاتی ہے (تم نوکر بننا چاہتی ہو۔۔۔ کس کی؟)
سُندری۔ کوئی بھی رکھ لے۔
میاں (آواز میں لرزش سی پیدا ہو جاتی ہے) اور جو کوئی خود تمہارا نوکر بننا چاہے (سندری کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتا ہے مگر وہ فوراً یوں ہٹا لیتی ہے جیسے سانپ نے ڈس لیا ہے) میرا مطلب ہے ــــ میرا مطلب ہے۔۔۔
سندری۔ کیا مطلب ہے آپ کا؟
میاں۔ دیکھو سندری۔۔۔ اب تمہیں کوئی نہ ستائے گا۔ بڑے آرام سے زندگی بسر کرو گی۔۔۔ چند دنوں ہی میں تمہیں بہت بڑا فرق محسوس ہوگا اور۔۔۔

اور... (خشک مسکراہٹ کے ساتھ) تمہاری زندگی اب ایک نئی کروٹ
بدلے گی... سُندری تم نہیں جانتی کہ تم کتنی سُندر ہو... تمہارا بڑے بڑے
آدمیوں کی صحبت میں دیکھ کر مجھے کتنا دُکھ ہوتا تھا... لیکن اب... اب
..... تم خاموش کیوں بیٹھی ہو... کچھ بولو.... کچھ کہو....
سُندری (ایک دم اُٹھ کھڑی ہوتی ہے یا بہت کچھ کہنا چاہتی ہے مگر کہہ نہیں سکتی)
چلے جائیے یہاں سے ؟
میاں ۔ لیکن .... لیکن ....
سُندری ۔ چلے جاؤ یہاں سے ؟
میاں ۔ اچھا... اچھا.... تو میں کل آؤں گا... تم سوچ لینا۔
(قدموں کی چاپ ــــ دروازہ کھلنے پر ایک دم زور سے بند کرنے کی آواز
ــــــ اس کے بعد پھر قدموں کی چاپ، چند لمحات کے بعد دروازہ کھولنے
کی آواز، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا کریکٹر اپنے مکان میں پہنچ گیا ہے)
بیوی ۔ مل آئے ۔
میاں ۔ ہاں مل آیا... وہ نوجانے کے لیے بالکل تیار تھی ۔
بیوی ۔ آپ کے کہنے سے رُک گئی ۔
میاں ۔ ہاں رُک ہی گئی ۔ بہت دیر تک سمجھانا پڑا ۔
بیوی ۔ کیا کہتی تھی ۔
میاں ۔ کچھ نہیں بیچاری بہت، پریشان تھی ــــ آدمی پریشان ہو جاتا ہے اس
حالت میں بیسوں ایک ڈگر پر چلتے چلتے ایک دم نیا راستہ اختیار کرتے
وقت دل و دماغ پر بہت، اثر پڑتا ہے

لڑکی۔ تو اب وہ نہیں جائے گی۔

میاں۔ کہاں جائے گی؟.... اس جگہ اور دوسری جگہ میں فرق ہی کیا ہے ——— کچھ بھی نہیں۔ میں نے اس کو سمجھایا کہ تمہیں نئی کروٹ لینی چاہیئے تاکہ تمہاری زندگی خوشگوار بن جائے تمہارے سب دکھ درد دُور ہو جائیں۔

بیوی۔ بہت خوشی کی بات ہو گی اگر وہ سمجھ جائے۔

(دُور سے سُندری اور ایک مرد کے قہقہوں کی آواز آتی ہے۔ ساتھ ہی فحش رکارڈ بجنا شروع ہوتا ہے جو پہلے کئی بار سُندری کے ہاں بجتا رہا ہے.... آہستہ آہستہ فیڈ آؤٹ)

خُودکُشی

عورت	...	آج کل کے زمانے کی فیشن ایبل عورت
چچا	...	پرانی وضع کے بزرگ
ہیر	...	ہیر رانجھا ڈرامہ کی ہیر۔ وہی لباس
نوکرانی	...	جوان عورت خادماؤں کے لباس میں

پردہ اٹھتا ہے سٹیج پر بالکل اندھیرا چھایا ہے سامنے ایک عورت کرسی پر بیٹھی ہے بال کھلے ہیں صرف اس کے چہرے پر روشنی پڑ رہی ہے عقب میں آرکسٹرا پر ایک دردناک دھن بجائی جا رہی ہے ———

عورت اٹھتی ہے اور سفید رومال سے اپنے آنسو پونچھتی ہے۔

عورت (سسکیاں لیتی ہے)... میری دنیا تاریک ہوگئی ہے ــــ چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دے رہا ہے ــــ اے خدا اب کیا ہوگا! زندگی میں اب کیا لطف باقی رہ گیا ہے؟ ــــ وہ جس سے مجھے محبت تھی وہ جس کی خاطر میں زندہ تھی ــــ وہ جو میرے دل کی دھڑکن تھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سوگئی ہے ــــ اب میں کیا ہوں؟ ــــ اس کے بغیر کیا میری زندگی ایسا ساز نہیں جس کی ساری طربیں علیٰحدہ کردی گئی ہوں ــــ جس کے سارے تار نوچ ڈالے گئے ہوں ــــ موت ــــ آہ ــــ ظالم موت ــــ تو نے کچھ دیر تو صبر کیا ہوتا ــــ اتنی جلدی کیا تھی ــــ دنیا میں مجھے کئی آدمی مرنے کے لیے تیار مل جاتے ــــ وہ تو ابھی زندہ رہنا چاہتا تھا ــــ اس نے تو ابھی محبت کی دنیا بسائی ہی تھی کہ تو نے اپنا سر آغوش میں لے لیا۔ .... (روتی ہے) .... میں کیا سوچ رہی ہوں ــــ یہ رونا دھونا کیسا ــــ اس کے ساتھ تو میری زندگی کا بھی خاتمہ ہو چکا ہے ــــ مجھے خودکشی میں دیر نہ کرنی چاہیئے۔

(آہستہ آہستہ اسٹیج کا اندھیرا دور ہونا شروع ہوتا ہے چند لمحات میں پورا اسٹیج روشن ہو جاتا ہے۔ عورت اپنے پریشان بال سنوارتی ہے کرسی پر بیٹھتی ہے اور گھنٹی بجاتی ہے۔ عقبی موسیقی بند ہو جاتی ہے)

عورت ۔ مجھے فوراً خودکشی کرنی چاہیئے۔

(نوکرانی داخل ہوتی ہے)

نوکرانی ۔ جی سرکار!

عورت ۔ میں خودکشی کرنا چاہتی ہوں۔

نوکرانی۔ کب سرکار

عورت۔ ابھی۔ اسی وقت!

نوکرانی۔ بہت اچھا سرکار۔

عورت۔ چچا جان کو بھیج دو یہاں۔

نوکرانی۔ بہت اچھا سرکار۔

(چلی جاتی ہے)

عورت (اٹھ کر فیصلہ کن لہجے میں) میں خودکشی کر لوں گی۔ چچا جان کی سخت گیری اور قدامت پرستی ہی کے باعث میرے محبوب نے جان دی ہے اگر چچا جان شادی پر رضامند ہو جاتے تو اُس کی صحت چٹکیوں میں اچھی ہو جاتی۔ مگر وہ اپنی ہٹ پر قائم رہے اور .... اور.... ۔

(قدموں کی چاپ، پھر چچا جان کا داخلہ)

چچا۔ بیٹی! تو نے مجھے بلایا ہے۔

عورت۔ ہاں چچا جان، میں نے ہی آپ کو بلایا ہے۔

چچا۔ کیا بات ہے؟

بیٹی۔ میں خودکشی کرنا چاہتی ہوں۔

چچا۔ خیال بُرا نہیں لیکن تمہارا ارادہ کب ہے؟

بیٹی۔ اسی وقت، ابھی ابھی (بیٹھ جاتی ہے)

چچا (کرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔ رات کے بارہ بج چکے ہیں اور میں ٹھیک سوا بارہ بجے سو جانے کا عادی ہوں ــــ تمہیں خودکشی کرنے سے پہلے کچھ لکھنا بھی ہوگا جس پر کافی وقت صرف ہو جائے گا ــــ اور پھر مجھے اُس کی عبارت کی

غلطیاں درست کرنا پڑیں گی کیونکہ جتنے خط تم نے اب تک اپنے دوست کو لکھے ہیں سب کے سب زبان کی غلطیوں سے پُر ہیں ـــــ میں نہیں چاہتا کہ تمہاری آخری تحریر جو کئی آدمیوں کی نظر سے گذرے گی غلط سلط ہو ـــــ میری ذاتی زبان دانی مشہور ہے میرے اشعار لوگ سند کے طور پر پیش کرتے ہیں اگر تمہاری تحریر میں املاء اور گرامر کی غلطیاں موجود ہیں تو میری ناک کٹ جائے گی۔

بیٹی۔ مجھے زبان کی کوئی پرواہ نہیں ـــــ میں ہمیشہ خیالوں کو ترجیح دیتی رہی ہوں۔ اور اپنی آخری تحریر میں بھی اپنی اس انفرادیت کو قائم رکھوں گی ـــــ زبان آخر ہے کیا۔ اس کو اتنی اہمیت کیوں دی جاتی ہے؟ ـــــ میرے خط جن کی اغلاط سے آپ کا ناک کٹتا ہے۔

چچا۔ ناک مؤنث ہے مذکر نہیں۔

عورت۔ میں جانتی ہوں لیکن آپ کی ناک کسی صورت میں بھی مؤنث نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ کی ناک مؤنث ہوتی تو آپ ولایت سے وہ مشین کبھی نہ منگاتے جس سے موٹی ناکیں چھوٹی اور پتلی ہو جاتی ہیں۔

چچا (اٹھ کھڑا ہوتا ہے) تم میری ناک پر ناجائز حملہ کر رہی ہو۔

عورت (اٹھ کھڑی ہوتی ہے) آپ میری زبان پر بیجا اعتراض کر رہے ہیں ـــ!

چچا۔ تم نے بدتمیزی کی.... آخری حد تک پہنچ کر ترقی پسند ہو گئی ہو۔

عورت۔ آپ مجھے گالی دے رہے ہیں جس کا آپ کو کوئی حق نہیں ہے۔

چچا۔ تم بھولتی ہو۔ میں تمہارا چچا ہوں۔

عورت (بیٹھ جاتی ہے) میں بھول گئی ہوں۔ آپ واقعی میرے چچا ہیں جس کا بہت بڑا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے مجھے اپنی مرضی کی شادی کرنے کی اجازت نہ دی۔

چچا (بیٹھ جاتا ہے) اپنی مرضی سے اگر کوئی مرد یا عورت شادی کرے تو اسے رُومان لڑانا کہتے ہیں جو شریف گھرانوں میں سخت معیوب سمجھا جاتا ہے۔ میں شریف آدمی ہوں شریف آدمی ہونے کے علاوہ تمہارا چچا ہوں۔ اس لیے میں نے ایسے رُومان کی اجازت نہیں دی۔

عورت۔ آپ رُومان لڑانا کیوں کہتے ہیں۔ یہ بہت بُرا معلوم ہوتا ہے۔

چچا۔ فصحاء نے اسے یوُں ہی لکھا ہے۔ اس میں اب کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

عورت۔ رُومان لڑانا بہت بھدی ترکیب ہے —— مرغ لڑائے جاتے ہیں بٹیریں لڑائی جاتی ہیں —— یہ رُومان لڑانا کیا ہوُا؟

چچا۔ تم خودکشی کرنے والی تھی۔

عورت۔ میں خودکشی کرنے والی تھی نہیں بلکہ ہوں۔ مجھے آپ سے اجازت لینا تھی

چچا۔ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے خدا کرے تم اس میں کامیاب ہو جاؤ۔

عورت۔ کامیابی کے لئے دعا کا شکریہ... مگر اس سے پیشتر کہ میں اپنی جان اپنے ہاتھوں سے ہلاک کروں میں اپنا پورا پورا اطمینان کرنا چاہتی ہوں کہ میرے اس فعل سے آپ کی ناک کو کوئی صدمہ نہیں پہنچے گا۔

چچا۔ نہیں، موت سے ناک کو صدمہ پہنچنے کا احتمال بہت ہی کم ہوتا ہے اور پھر تم اپنی آخری تحریر میں صاف صاف لکھ دوگی کہ میں نے یعنی تم نے اپنی زندگی کا خاتمہ اس لیے کیا تھا کہ مجھے فلاں آدمی سے پاک محبت تھی۔ پاک کا لفظ بہت ضروری ہے۔

عورت۔ کیا محبت خود ہی پاک نہیں ہوتی۔

چچا۔ نہیں، اکیلی محبت پاک نہیں ہو سکتی جب تک اس کی وضاحت نہ کی جائے

عورت۔ تو کیا محبت کے ساتھ مجھے پاک ضرور لکھنا پڑے گا؟
چچا۔ تم کوئی فکر نہ کرو ـــــ میں اس تحریر کا مسوّدہ تمہیں تیار کر کے دوں گا۔
تمہارا کام صرف نقل کرنا رہ جائے گا۔
عورت۔ اور اگر میں اس عبارت کی نقل کرنے سے انکار کر دوں۔
چچا۔ تو میں تمہیں خودکشی کی اجازت نہیں دوں گا۔
عورت (توقف کے بعد) چونکہ مجھے خودکشی کرنا ہے اس لئے میں آپ کی عبارت نقل
کر دوں گی ـــ فرمائیے اس تحریر کا مسوّدہ مجھے کب مل جائے گا؟
چچا۔ کل صبح ناشتے پر۔
عورت۔ ذرا خوشخط لکھئے گا تاکہ میں آسانی سے پڑھ لوں۔ آپ شکستہ خط میں لکھنے
کے عادی ہیں۔
چچا۔ میں اپنا خط نہیں بدل سکتا لیکن میں تین چار بار پڑھ کے تمہیں سنا دوں گا۔
میرا خیال ہے پھر نقل کرنے میں تمہیں کوئی وقت پیش نہ آئے گی۔
عورت۔ بہت بہتر!
چچا۔ اچھا تو میں اب جاتا ہوں۔

(چلتا ہے)

عورت (اٹھ کر) شب بخیر۔
چچا۔ شب بخیر ـــــ میں اب سوتے وقت اس کا مضمون سوچوں گا مجھے یقین
ہے کہ بہت ہی شاندار چیز بن جائے گی۔ اور کوئی عجب نہیں کہ خودکشی کے
بعد تم فرہاد کی شیریں اور مجنوں کی لیلےٰ سے بھی بازی لے جاؤ گی۔
عورت۔ خدا آپ کی زبان مبارک کرے۔

(چچا چلا جاتا ہے)

عورت (توقف کے بعد) کچھ فیصلہ تو ہو گیا ـــــ مجھے تو یہ اندیشہ تھا کہ چچا جان مجھے
خودکشی کی اجازت ہی نہیں دیں گے ـــــ بہر حال یہ مرحلہ طے ہو گیا۔
اب ان کا مضمون تیار ہو جائے تو میں اسے نقل کر کے فوراً ہی زہر کھا لوں گی۔
(الماری کی طرف بڑھتی ہے) زہر مجھے ابھی گھول گھال کے رکھ دینا چاہیئے
تاکہ صبح وقت ضائع نہ ہو (الماری میں سے زہر کی شیشی نکالتی ہے؟ پانی
بھرے گلاس میں اس کے چند قطرے ڈالتی ہے) . . . کل صبح ناشتے پر . . .
یعنی چائے کے بجائے مجھے یہ زہر پینا ہو گا۔

(دستک ہوتی ہے)

عورت۔ کون ہے؟

(پھر دستک ہوتی ہے)

عورت۔ کون ہے؟

(قدموں کی آواز ـــــ پھر سامنا دروازہ کھولا جاتا ہے اور ہیر
پریشان حالت میں اندر داخل ہوتی ہے۔)

عورت۔ کون ہو تم؟

ہیر۔ کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟

عورت۔ تم اندر آ سکتی ہو، مگر یہ تو بتاؤ کہ تم ہو کون؟

ہیر۔ میں ذرا دم لے لوں تو آپ کو سب کچھ بتاتی ہوں ـــــ میں سخت
گھبرائی ہوئی ہوں ـــــ دروازہ بند کر دوں؟ (اور دروازہ بند کر دیتی ہے)
ـــــ یہاں ضرور آ جائے گا۔

عورت ۔ کون یہاں آجائے گا۔

ہیر ۔ آپ اسے جانتی ہیں ؟

عورت ۔ کسے ؟

ہیر ۔ رانجھے کو۔

عورت ۔ کون رانجھا ؟

ہیر ۔ تخت ہزارے دا رانجھا ۔ چودھری موجو کا چھوٹا لڑکا دھیدو ۔ جسے لوگ رانجھے کے نام سے پکارتے ہیں ۔

عورت میں کسی چودھری موجو کے لڑکے دھیدو کو نہیں جانتی ——— بتاؤ تم کون ہو ؟

ہیر ۔ ہیر

عورت ۔ کون ہیر ؟

ہیر ۔ ہیر چوچک کی بیٹی ہیر ——— جسے ہیر سیال بھی کہتے ہیں ۔

عورت ۔ میں اب سمجھی ——— تو تم ہیر رانجھے والی ہیر ہو ——— پر تم یہاں کیسے آ گئیں ——— کرسی پر بیٹھ جاؤ ۔

ہیر (کرسی پر بیٹھ جاتی ہے) میں اور رانجھا دونوں سینما دیکھنے آئے تھے ——— فلم ہمارا ہی قصہ تھا ۔ آدمی دیکھ کر ہی میرا سر چکرانے لگا ۔ چنانچہ بھئی میں تو وہاں سے انٹرول ہوتے ہی بھاگ آئی ۔ مگر مجھے ڈر یہ ہے کہ رانجھا میرا پیچھا کرتا کرتا یہاں پہنچ جائے گا اور مجھے پکڑ کر پھر وہیں لے جائے گا ۔

عورت ۔ کہاں ؟

ہیر ۔ اسی جگہ جہاں ہمیں قید کیا گیا ہے ۔

عورت (کرسی پر بیٹھ جاتی ہے) وہاں اور کون کون ہے ؟

ہیر ۔ یہ تیرے ہاں شیریں ہے ۔ اس کا چاہنے والا فرہاد ہے ۔ یہ لیلیٰ ہے مجنوں ہے مرزا ہے صاحباں ہے ۔ سسّی ہے، ونیتی ہے — یہ تمہارے ہی ہیں ——

عورت ۔ تمہیں رانجھے سے اب محبّت نہیں رہی؟

ہیر ۔ محبت کیسے قائم رہ سکتی ہے بہن —— اسے تو ہر وقت بانسری بجانے سے کام ہے — شامتِ اعمال سے ایک دفعہ میں نے اس سے کہا تھا کہ تم سب سُریلی بانسری بجاتے ہو —— اب اس کے منہ سے نگوڑا بانس کا یہ ٹکڑا جُدا ہی نہیں ہوتا جب دیکھو درخت پر چڑھ کر بانسری بجا رہا ہے ——— یہ دیوانہ پن نہیں تو کیا ہے اور پھر جناب کو ڈھور ڈنگر چرانے کا بہت شوق ہے ۔ —— میں ہزار بار کہتی ہوں کہ رانجھا یہ کھیڑے ہیں جہاں تمہیں گائیں بھینسیں مل جائیں گی —— یہاں دُودھ کی نہریں بہتی ہیں ۔ دُودھ پیو اور مزے سے لمبی تان کر سو جاؤ، مگر اس کے سر پر وہی پرانا بھوت سوار ہے کہتا ہے نہیں، جب دُودھ موجود ہے تو گائے بھینسیں بھی کہیں نہ کہیں ضرور ہوں گی — ایک دن میں انہیں ڈھونڈھ نکالوں گا ۔ پھر ہم دونوں انہیں چرایا کریں گے ——— شیریں بچاری بھی اسی طرح فرہاد کے ہاتھوں بہت دُکھی ہے جناب چوبیس گھنٹے ہاتھ میں تیشہ لیے پتھر پھوڑتے ہیں —— شیریں پوچھتی ہے فرہاد یہ تم کیا کر رہے ہو ۔ جواب ملتا ہے تمہارے لیے یہ پہاڑ کاٹ کر دودھ کی نہر جاری کر رہا ہوں —— وہ بیچاری کہتی ہے کہ فرہاد یہاں دودھ کی سینکڑوں نہریں موجود ہیں جن کو دیکھ دیکھ کر میں تنگ آ گئی ہوں ——— اگر کچھ کرنا ہی چاہتے ہو تو ان میں سے ایک نہر کم کر دو —— مگر وہ شیریں کی ایک نہیں سنتا اور دن رات اپنے کام میں مشغول رہتا ہے ———

عورت ۔ یہ تو عذاب ہوا۔

ہیر ۔ عذاب جیسا عذاب —— بس ہمارا صرف یہ گناہ ہے کہ ہم نے ان مردوں کے لیے اپنی جان دی —— بیچاری سوہنی کی حالت تو میں بیان نہیں کر سکتی —— مہینوال صاحب ہر وقت اپنی ران کے گوشت کا قیمہ بناتے رہتے ہیں اور پھر ان نیلیوں چلی کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ اس قیمے کے بنے ہوئے کباب کھائے اسے اُبکائیوں پر اُبکائیاں آتی ہیں مگر مہینوال صاحب اس کے منہ میں یہ کباب ٹھونستے ہی رہتے ہیں —— اسی پر بس نہیں —— سوہنی پر یہ حکم عائد ہے کہ وہ رات کو کچا گھڑا لے کر دودھ کی نہر طے کیا کرے وہ دریائے چناب میں تیرنے والی دودھ کی نہر میں کیسے تیر سکتی ہے، اگر کیا کرے ۔ ایک بار حماقت کر چکی ہے سو اس کی سزا بھگت رہی ہے۔

عورت ۔ لیلیٰ کا بھی برا حال ہوگا۔

ہیر ۔ جی ہاں —— لیلےٰ ہزار بار میاں مجنوں سے کہہ چکی ہے مجھے مت ڈھونڈو میں تمہارے سامنے موجود ہوں ۔ مگر وہ نہیں مانتے اور لیلےٰ کو چھوڑ کر صحرا کی خاک چھانتے رہتے ہیں۔

عورت ۔ میں تو سمجھتی تھی کہ تم لوگ بہت خوش ہو گے۔

ہیر ۔ خاک بھی خوش نہیں —— یہ دنیا جلدی جلدی ختم ہو تو ہمیں اس عذاب سے نجات ملے —— محبت ہوئی تھی لیکن اس میں مرجانا کیا ضروری تھا —— میں تو ہر اس وقت کو روتی ہوں جب میں نے بغیر سوچے سمجھے خودکشی کر لی —— ہیر رانجھے سے پل بھر کے لیے جدا نہیں ہو سکتی —— شیریں فرہاد سے ایک لحظے کے لیے نہیں ہٹ سکتی —— زندگی اجیرن ہو گئی ہے۔

(دور سے بانسری کی آواز آتی ہے)

ہبیرہ۔ سُنئے جناب آپ بھی ـــــ دنیا اتنی ترقی کر گئی ہے۔ اگر کچھ بجانا ہی ہے، تو وائلن بجائیں۔ گٹار بجائیں ـــ سیکسوفون بجائیں۔ مگر انہیں سمجھائے کون؟

.... اچھا بہن چلتی ہوں.... اپنے تو مقدر میں بانسری کی ہی تانیں لکھی ہیں

.... خدا حافظ ـــــ

(دروازہ کھول باہر چلی جاتی ہے۔ بانسری کی آواز چند لمحات تک آتی رہتی ہے پھر آہستہ آہستہ غائب ہو جاتی ہے۔ عورت دروازہ کے پاس سے ہٹ کر کرسی پر بیٹھتی ہے اور گھنٹی بجاتی ہے ـــــــ

قدموں کی آواز ـــ پھر نوکرانی کا داخلہ)

نوکرانی۔ جی سرکار ـــــ!

عورت۔ میں نے خودکشی کرنے کا خیال چھوڑ دیا ہے۔

نوکرانی۔ بہت اچھا سرکار ـــــ!

عورت۔ چچا جان سو رہے ہیں یا جاگتے ہیں؟

نوکرانی۔ جاگتے ہیں۔ مجھے اپنے پاس بٹھا کر وہ آپ کے لیے "پاک محبت پر" ایک مضمون سوچ رہے تھے۔

عورت۔ چچا جان سے کہہ دو کہ وہ تمہیں اپنے پاس بٹھا کر میرے لیے "پاک محبت پر" مضمون نہ سوچیں۔ میں نے خودکشی کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔

نوکرانی۔ بہت اچھا سرکار!

(نوکرانی چلی جاتی ہے عورت گلاس کا سارا زہر فرش پر انڈیل دیتی ہے)

(پردہ)

ہتک

(فیڈ ان ـــ پیالی اور پرچ بجنے کی آواز آئے جو آہستہ آہستہ قریب آتی جائے، ساتھ ہی ساتھ ہوٹل کے چھوکرے کی سیٹی کی آواز بھی آئے جو کسی فلمی دھن میں ہو ـــ بمبئی میں ہوٹل کے چھوکرے جو ہوٹل سے باہر چائے وغیرہ لے کر جاتے ہیں "باہر والے" کہلاتے ہیں یہ عموماً چائے کی خالی پیالی اور پرچ آپس میں بجایا کرتے ہیں کہ بلڈنگ کے رہنے والوں کو ان کی موجودگی کا علم ہو جائے اور وہ آرڈر دے سکیں)

سوگندھی۔ اے باہر والا۔

باہر والا۔ آیا ـــ (چند سیکنڈوں کے بعد) کیا لاؤں سوگندھی۔

سوگندھی۔ دو چائے لا۔ ایک میں پانی کم ایک میں پانی زیادتی ـــ اور دیکھ دو پان ـــ ایک چُونا زیادہ ایک دیسی کالا تمباکو۔

باہر والا۔ بس ـــ

سوگندھی۔ بس ـــ جلدی آ ـــ (سیٹی بجاتی ہے)

(باہر والا پیالی اور پرچ بجاتا چلا جاتا ہے چند لمحات تک یہ آواز آتی ہے)

مادھو۔ کیا نام ہے تیرا؟

سوگندھی (ادا کے ساتھ) سوگندھی!

مادھو۔ سوگندھی ـــ اور تیری اس کھولی میں جو بڑی بڑی باس آتی ہے ـــ چھی چھی چھی ـــ کیسے رہتی ہو تم یہاں؟

سوگندھی۔ لے دونا کوئی اچھا سا نلیٹ !

مادھو۔ پر تیرا دھندا تو یہی رہے گا ——— اس کی بڑی باس تو آتی ہی رہے گی ——— سوگندھی تیرا نام اتنا اچھا ہے تو آپ بھی اتنی اچھی ہے۔ پر تو یہ کیا دھندا کر رہی ہے ——— کیا بھاڑا ہے اس کھولی کا؟ ———

سوگندھی۔ اٹھارہ روپے اور میرا بھاڑا ہے دس روپے جس میں سے ڈھائی دلالی کے چلے جاتے ہیں۔

مادھو۔ لاج نہیں آتی تجھے اپنا بھاؤ بتاتے ——— جانتی ہے تو میرے ساتھ کس چیز کا سودا کر رہی ہے اور میں تیرے پاس کیوں آیا ہوں ——— چھی چھی چھی تیرا بھاڑہ دس روپے ——— اور جیسا کہ تو کہتی ہے ڈھائی روپے دلالی کے باقی رہے ساڑھے سات ——— رہے نہ ساڑھے سات ؟

سوگندھی۔ ہاں ساڑھے سات۔

مادھو۔ ان ساڑھے سات روپوں میں تو مجھے ایسی چیز دینے کا وچن دیتی ہے جو تو دے ہی نہیں سکتی اور ——— اور (ہنستا ہے) اور میں ایسی چیز تجھ سے لینے آیا ہوں، جو میں تجھ سے لے ہی نہیں سکتا۔

سوگندھی۔ پھر تو آیا کس لیے ہے ؟

مادھو۔ آیا کس لئے ہوں ——— (توقف کے بعد جیسے جواب سوچ رہا ہے) یہ تو ہی سوچ کر آیا کس لیے ہوں ——— بات تو یہ ہے کہ تو نے آج تک کبھی سوچا ہی نہیں ہے (مجھے تو کوئی عورت بھی لے چلے گی۔ پر کیا میں تجھے پوچھتا ہوں ——— کیا یہ سوچنے کی بات نہیں ؟ ——— سوگندھی تو بہت بھولی ہے ——— پگلی تیرا میرا ناطہ ہی کیا ہے کچھ بھی نہیں ——— بس یہ دس روپے ہیں جن میں سے

ڈھائی دلال لے جائے گا اور باقی اِدھر اُدھر بکھر جائیں گے ـــــ یہ دس
روپے ہیں جو تیرے اور میرے بیچ میں ناچ رہے ہیں تیرا من کچھ اور سوچتا
ہے اور میرا من کچھ اور ـــــ

سوگندھی ـ یہ تو کھری بات کہی تو نے ـــــ

مادھو ـ کیوں نہ کوئی ایسی بات کریں کہ تجھے میری ضرورت ہو اور مجھے تیری ـــــ
پگلی دنیا میں روپیہ ہی سب کچھ نہیں ہے ـــــ پریم کے دو سچے بول اگر تجھ
سے کوئی بول جائے تو دیکھ کیا ہوتا ہے ـ تیرے جیون کا سب اندھیرا دُور
ہو جائے گا ـــــ کیا بھاڑا ہے اِس کھولی کا ؟ ـــــ

سوگندھی (ایک دم چونک کر جیسے خیالات کی دنیا میں کھوگئی تھی) ک ... ک ...
کیا کہا ؟ ـــــ

مادھو ـ میں کہتا ہوں یہ دھندا چھوڑ ـــــ پونے میں حوالدار ہوں پرمیشور کا دیا بہت
کچھ ہے ـــــ مہینے میں ایک بار آیا کروں گا تین چار دن کے لیے ....
یہ ... یہ تیری ناک کو کیا ہو گیا ہے ـ اتنی لال کیوں ہے ؟

سوگندھی ـ لال ہے کیا ؟

مادھو ـ تجھے کیا پتا ہی نہیں ـــــ سچ ہے تجھے بتانے والا کون ہے ـ تیری ماں
ہوتی، تیرا باپ ہوتا ـــــ تیرا ... کہیں زکام نہ ہو جائے ـ تجھے ٹھہر ـ میں
تیرے لیے دوا لاتا ہوں ـــــ کوئی ڈاکٹر ہے آج یا جو ....

سوگندھی ـ تم چنتا نہ کرو مادھو، یہ کچھ بھی نہیں، اپنے آپ ٹھیک ہو جاؤں گی ـ

مادھو ـ کیا کہا ... (توقف کے بعد) ارے ... یہ ننگی تصویریں تو نے اپنے سرہانے
کیا لٹکا رکھی ہیں ... چھی چھی چھی ـــــ بھئی میرے ہوتے یہ بالکل

یہاں نہیں رہیں گی (تصویریں پھاڑنے کی آواز) .... میں تجھے اور تصویریں لا دوں گا .... (توقف کے بعد) اور یہ گھڑا — کتنا میلا ہے، کب کا پانی بھرا ہے اس میں — اور یہ چیتھڑے — یہ چندیاں — کتنی بری باس آتی ہے ان سے؟ — اٹھا کر باہر پھینک ان کو تیرا جی نہیں گھبراتا۔

سوگندھی۔ رہنے بھی دو —

مادھو۔ ارے کیا رہنے دوں — سالا ہر جگہ کچرا پڑا ہے — تجھے گھن نہیں آتی — کیا بھاڑا ہے اس کھولی کا؟ — —

سوگندھی۔ اٹھارہ روپے! —

مادھو۔ پونا پہنچتے ہی منی آرڈر کر دوں گا — (توقف کے بعد) کوئی نوکر نہیں تیرے پاس — تیری کنگھی بھی ٹوٹی ہوئی ہے جبھی تو تیرے بالوں کا ستیاناس ہو رہا ہے۔ کتنا دکھ ہوتا ہے مجھے — یہی گھر جس کا تو — کیا بھاڑا دیتی ہے تو اس گھر کا؟ — یہی گھر جس میں جگہ جگہ کچرا پڑا ہے بڑا سندر ہو سکتا ہے — ہو کیا سکتا ہے اب ہو گا — تو دیکھتی رہ کیا ہوتا ہے۔ پونے میں حوالدار ہوں۔ مہینے میں ایک بار آیا کروں گا تین چار دن کے لیے، یہ دھندا چھوڑ اور عزت آبرو کے ساتھ رہ — اور یہ سالا کتا؟ —

(کتا بھونکتا ہے)

سوگندھی۔ چپ رہ — دیکھتا نہیں اپنا آدمی ہے۔

مادھو۔ پھانسی دے سالے کو — کھجلا کھجلا کر سالے نے ایک بال نہیں رکھا لنگ پر — بیمار ہے مجھے بھی بیمار کرے گا۔

سوگندھی۔ پڑا رہنے دو یہیں — اچھا ہو جائے گا۔

مادھو۔ اچھا کیا ہوگا ـــــ تو کہتی ہے تو رہے سالا ہیں اور بھی تو کئی ہیں تیری روٹیاں توڑنے والے ـــــ سچ تو یہ ہے کہ تیرا دل بڑا ہی اچھا ہے تو کسی جنور کو بھی دُکھ نہیں دے سکتی ـــــ پر مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے۔ جب سوچتا ہوں کہ آج تک کسی نے بھی تیرے اس گُن کو نہیں پہچانا ـــــ سوگندھی (بڑے پیار کے ساتھ) .... سوگندھی ....

(نوٹ: ـــــ سچ تو یہ ہے .... کے ساتھ ہی عقب میں بہت سوفٹ (مجھے اس کے لیے اُردو میں کوئی لفظ نہیں مل سکا۔ موسیقی شروع ہو)

مادھو (تشویش آلود لہجے میں) کیا بھاڑا ہے اس کھولی کا؟

سوگندھی۔ اٹھارہ روپے!

مادھو۔ پونا پہنچتے ہی منی آرڈر کر دوں گا میری جان ....

سوگندھی۔ مادھو!

مادھو۔ میں اب جاتا ہوں۔ پھر آؤں گا میری جان....

(نوٹ: ـــــ سوفٹ موسیقی جاری رہے ـــــ چند لمحات کے بعد ہولے سے دروازہ بھیڑنے کی آواز آئے۔ خیال رہے کہ یہ آواز اونچی نہ ہو موسیقی پھر بھی جاری رہے ـــــ چند لمحات کے بعد سوگندھی کے ذیل کے الفاظ اس موسیقی کے پردے پر سپر امپوز کیے جائیں)

سوگندھی۔ ایسا لگتا ہے کہ میں اس حوالدار کو برسوں سے جانتی ہوں۔ آج تک کسی نے مجھے بتایا نہ تھا کہ تیرا بھی ایک گھر ہے جو سورگ بن سکتا ہے:

(سورگ کہہ کر اس کے تیقن میں تھوڑی سی لغزش آجاتی ہے) سورگ (فوراً ہی اپنے آپ کو یقین دلا کر) ... ہاں ہاں سورگ ... باس مارنے والے چیتھڑوں اور چندیوں، رنگی تصویریں، میلے گھڑے اور میرے اُلجھے ہوئے بالوں کا آج تک کسی نے خیال کیا تھا —— (اپنے آپ کو مخاطب کرکے) سوگندھی —— تجھ سے کبھی کیا کسی نے یہ کہا تھا "دیکھ تو آج تیری ناک کتنی لال ہو رہی ہے —— ٹھہر میں تیرے واسطے دوا لاتا ہوں ——
مادھو ضرور مجھ سے پریم کرتا ہے ——

پریم ..... پریم .....

(ایک دم دروازہ کھلتا ہے —— سوگندھی کی ہمسائی (ویسی ہی جیسی خود سوگندھی ہے) اندر داخل ہوتی ہے)

ہمسائی ۔ پریم ..... پریم ... پریم ... سالا جو کوئی بھی آتا ہے ۔ وہ یہی کہتا ہے "میں تجھ سے پریم کرتا ہوں" ... سب جانتی ہوں یہ پریم کیا بلا ہے؟

سوگندھی ۔ ہمارے باوا کا کیا جاتا ہے —— بولنے دو جھوٹ ان کو ۔ ہم کب ان سے سچ بولتی ہیں —— یہ دھندا ہی ایسا ہے ان کو جھوٹ بولنا پڑتا ہے ہم کو بھی جھوٹ بولنا پڑتا ہے —— پر کانتا اس جھوٹے جیون میں ۔ اگر کوئی سچا بول سنائی دے تو کتنا آنند آتا ہے ۔

ہمسائی ۔ سچا بول بھی تو سچا بول نہیں ہوتا ۔

سوگندھی ۔ نہ ہو —— پر تھوڑی دیر کے لیے آنند تو آجاتا ہے —— کاغذ کے پھول ہیں اگر باس ہو تو میں اٹھا کر اسے اپنے جوڑے میں لگاؤں —— جنہیں سچے گہنے پہننے کو نہیں ملتے وہ جھول چڑھے جھوٹے گہنوں ہی سے اپنا

من پر چالیتی ہے ___ کانتا دنیا میں اگر جھوٹی اور سچی چیزوں کے ساتھ ساتھ ایسی چیزیں نہ ہوتیں جو تھوڑی دیر کے لیے سچی معلوم ہوتی ہیں تو یہ جیون بہت ہی کٹھن ہو جاتا ہے۔

ہمسائی۔ یہ تو آج کیسی باتیں کر رہی ہے؟

سوگندھی۔ کوئی چھیڑ گیا ہے میرے سر دے کے تار ___ روم روم میں نیند سی رچ گئی ہے ___ آ ___ میری گود میں آجا ___ تجھے لوری دے کر سلاؤں...

کانتا۔ مستک تو نہیں پھر گیا تیرا۔

سوگندھی (اور زیادہ پیار کے ساتھ) آ ___ کانتا ___ آ ___ میری گود میں آجا ___ میں تیرے کان کو ہولے ہولے تھپتھپاؤں گی ___ دھیرے دھیرے لوری دوں گی ___ تو بھی سو جائے گی اور میں بھی سو جاؤں گی ___ آ ___

لوری

صاف کٹوری سی آنکھیں جیسے گنگا جل کے
کیوں دُکھ دیتی ہے نندیا کو نین رسیلے مل کے

سو جا ___ سو جا

سو جا میری ننھی مُنّی بھولی بھالی کانتا
نندیا نگری میں دیکھے گی سندر سپنے کل کے

اب سو جا ___ سو جا

وہ آکاش پہ کالی بدلی ڈول رہی ہے کب سے
تارے چھم چھم ناچ رہے ہیں چاند بھرا ہے جب سے

سو جا ـــــــــ سو جا

سو جا میری ننھی مُنّی بھولی بھالی کا تا

نوٹ:۔ لوری ختم ہو تو ساز تھوڑی دیر ہولے ہولے بجتے رہیں ـــ پھر سو جائیں۔

دُوسرا منظر

(میونسپل کمیٹی کے داروغہ صفائی نے شراب پی رکھی ہے اپنے کام سے فارغ ہو چکا ہے اور گھر جانے کا ارادہ کر رہا ہے سو گندھی بھی نشے میں ہے مگر اس کی زبان میں لکنت نہیں ہے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے نشے کو لب و لہجہ سے ظاہر کرنے کی کوشش نہ کرے داروغہ کی زبان میں لکنت ہو مگر پروڈیوسر اس بات کا خاص خیال رکھے کہ وہ اس لکنت کو بقدر کفایت استعمال میں لائے۔

سو گندھی: بہت پلا دی تم نے ـــ سر درد کے مارے پھٹا جا رہا ہے ـــ

داروغہ: (ہنستا ہے) بام لگاؤ بام ـــ میرے سر میں جب زیادہ پینے سے درد ہوا کرتا ہے تو میری بیوی مجھے بام ہی لگایا کرتی ہے ـــ سارے ماتھے پر یہ تیز تیز باس والی چیز چپڑ دیا کرتی ہے اور میں سو جایا کرتا ہوں ـــ میری بیوی بڑی اچھی ہے سو گندھی ـــ بڑی اچھی ہے ـــ مجھے اس سے بہت محبت ہے ـــ ہاں تو بام لگاؤ بام ـــ بام ـــ سُنا بڑی اچھی ہے میری بیوی ـــ یہ سالا کتا کیا کر رہا ہے تیرے

پلنگ کے نیچے۔

(کتا بھونکتا ہے)

سوگندھی۔ چپ کر بے ـــــ میرے سر میں درد ہوتا ہے۔

داروغہ۔ میں بلبنی پالٹی کا داروغہ ہوں ـــــ ایسا کتا گولی سے مار دینا چاہیئے۔
گولی سے ـــــ میرے پاس دونالی بندوق ہے ـــــ کسی دن سالے کو
ڈھیر کردوں گا ـــــ اچھا میں جاتا ہوں ـــــ میری بیوی میری راہ دیکھ رہی ہوگی۔
(اٹھتا ہے اور لڑکھڑا کر گرنے لگتا ہے کرسی سے اس کی ٹکر لگتی ہے)

(کتا بھونکتا ہے)

داروغہ (کتے کو ڈانٹتا ہے) اے ... چپ ... بام لگا بام ـــ اور بام لگا کے
سوجا ... خبردار جو بھونکا ـــــ سوجا ـــ (ہنستا ہے) میری بیوی بڑی
اچھی ہے ـــــ جب ... جب میں زیادہ پی جایا کرتا ہوں تو میرے ماتھے
پر بھی بام لگایا کرتی ہے ... پر آج تو میں نے زیادہ نہیں پی ..... کیوں
سوگندھی ... کیا زیادہ پی ہے ... ارے ... یہ سالا تیرا طوطا کیسا
ہے ـــ (طوطے کو مخاطب کرکے) ارے ... گردن کہاں ہے تیری ...
(ہنستا ہے) سوگندھی یہ کیسے جانور پال رکھے ہیں تو نے ... (ہنستا ہے)
سالا کتا ہے تو اس کے بدن پر ایک بال نہیں۔ سالا یہ طوطا ہے تو اس
کے پر ہی نہیں .... (ہنستا ہے) اس کی گردن کہاں ہے؟

سوگندھی۔ سو گیا ہے ... (آواز سے یہ معلوم ہو) جیسے وہ اپنے آپ سے اور
داروغے سے تنگ آگئی ہے اپنے آپ سے اس لیے کہ اس کے سر میں
درد ہے اور داروغے سے اس لیے کہ وہ جانے کا نام ہی نہیں لیتا)

داروغہ (ہنستا ہے) دونوں سو رہے ہیں … (کتے کو سیٹی بجا کر بلاتا ہے) …
سچ مچ سو گیا ہے … اچھا … اچھا تو میں اب جاتا ہوں … میں تیرے
پاس اور ٹھیرتا سوگندھی، پر مجھے اپنی بیوی کا خیال ہے … میرا انتظار کر
رہی ہوگی … بام لگا بام اور سو جا … سو جا میری جان …

سوگندھی ۔ سو جاؤں گی سیٹھ ۔

داروغہ ۔ بام لگا یام … بڑی اچھی چیز ہے (ہنستا ہے) ماتھے پر لگتی ہے تو ایسا
معلوم ہوتا ہے پن کا پترا چڑھا دیا ہے کسی نے … ٹھنڈا ٹھنڈا ہوتا ہے نا … (رکتے
ہے) لے خبردار، جواب بھونکا ۔ گولی سے اُڑا دوں گا … میں کہیں زیادہ تو
نہیں پی گیا … دونالی بندوق ہے میرے پاس … اس سالے طوطے
کی گردن کہاں ہے … سوگندھی … سوگندھی … طوطے
کی گردن کہاں ہے ؟

سوگندھی (نشے کی حالت میں) گردن … گردن …

داروغہ ۔ سالی گردن ہی غائب ہے —— سوگندھی میں جاتا ہوں —— بھئی
مجھے دیر ہو رہی ہے ۔ میری بیوی انتظار کر رہی ہوگی ۔

سوگندھی ۔ اچھا ۔

داروغہ ۔ سالی گردن ہی غائب ہے … کہاں گئی ؟ … اِدھر بھی نہیں …
اُدھر بھی نہیں … حد ہو گئی ہے … سوگندھی تو بام مل بام … تیرا سر
دُکھ رہا ہے … میری بیوی میرے ماتھے پر یہی دوا ملا کرتی ہے …
روپے لے لیے ہیں نا تو نے … سوگندھی … سوگندھی …

سوگندھی (درد کی تکلیف کے ساتھ) کیا چیز ہے سیٹھ ؟

داروغہ۔ روپے لے لیے نا تو نے۔

سوگندھی۔ روپے.... روپے.... ہاں لے لیے... مجھے.....
مجھے نیند آ رہی ہے۔

داروغہ۔ سو جا... بام مل اور سو جا... میں جاتا ہوں... میری بیوی میری راہ دیکھ رہی ہوگی... بڑی اچھی ہے... سالی گردن ہی غائب ہے... اے... اے
... اچھا میں جاتا ہوں... تو سو جا... پر دروازہ بند کر لیجو اندر سے....

سوگندھی۔ اچھا!

داروغہ۔ دروازہ بند کر لیجو اندر سے... ہیں؟

سوگندھی۔ اچھا!

داروغہ۔ سالی گردن ہی غائب ہے... حد ہو گئی ہے (یہ کہتا ہوا وہ مائکروفون سے دور ہوتا جاتا ہے — آخر میں دروازہ کھولنے کی آواز (دروازہ بند کر لیجو اندر سے سوگندھی) دروازہ اندر سے بند کر دیا جاتا ہے)

سوگندھی (تھکے ہوئے لہجے میں) موا جانے کا نام ہی نہیں لیتا تھا... اور... اور
... میرا سر درد کے مارے پھٹا جا رہا ہے — بام... بام مل ہی لوں (شیشی پر سے ٹین کا ڈھکنا اتارنے کی آواز)... ماتھے پر پیچ پیچ ٹین کا پترا چڑھا دیا گیا ہے... دونوں گئے... (ہولے ہولے سوفٹ موسیقی شروع ہوتی ہے)
اُف... ف... سر میں کتنا درد ہے... پر آنکھیں پھر بھی نیند سے بوجھل ہو رہی ہیں...

(نوٹ: چند لمحات تک بیک گراؤنڈ میوزک جاری رہے) پھر ہولے ہولے تحلیل ہو جائے — اس کے بعد چند سکنڈوں تک مکمل خاموشی طاری

رہے صرف سوگندھی کے غیر ہموار سانسوں کی آواز آئے ـــــــ اس کے
بعد بہت دُور سے دستک کی آواز سنائی دے ... وقفہ ... پھر دستک کی
آواز آئے۔ اب کی دفعہ کچھ اونچی ... سوگندھی خواب میں کچھ بڑبڑائے ....
اب کے دستک کی آواز ایک دم اونچی ہو جائے ۔ سوگندھی دفعتہً ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے۔
سوگندھی۔ کون ہے ... وقفہ) کوئی بھی نہیں ....

(دروازے پر دستک ہوتی رہے)

سوگندھی (اپنے آپ سے) کون ہے ... اٹھتی ہے۔ قدموں کی چاپ
(پھر دروازہ کھولنے کی آواز) ... کون رام لال۔
رام لال (بھیچی بھیچی آواز میں) تجھے سانپ سونگھ گیا تھا یا کیا ہوا تھا۔ ایک کلاک
سے باہر کھڑا دروازہ ٹھوک رہا ہوں ۔ تو کہاں مر گئی تھی (آواز دبا دبا کر)
اندر کوئی اور تو نہیں !
سوگندھی (نیم غنودگی اور نشے کی حالت میں) نہیں !
رام لال (آواز بلند کر کے) پھر تو نے دروازہ کیوں نہیں کھولا ـــــ بھئی یوں دھندا
ہو چکا ـــ گھوڑے بیچ کے سو جاتی ہو۔ کوئی باہر کھڑا کھڑا سوکھ جائے
سالا ـــ اب تو میرا منہ کیا دیکھتی رہے (دروازہ بھیڑنے کی آواز) ـــ
جھٹ پٹ یہ دھوتی اُتار اور وہ اپنی پھولوں والی ساڑھی پہن، پوڈر ووڈر
لگا اور میرے ساتھ چل ۔ باہر موٹر میں ایک سیٹھ بیٹھے تیرا انتظار کر رہے
ہیں ـــ چل چل، ایک دم جلدی کر ـــــ
سوگندھی (بیمار آواز میں) رام لال، میرا جی اچھا نہیں !
رام لال ۔ بیڑی ہے کوئی تیرے پاس ... (ایک دم چونک کر کیا کہا ....

جی اچھا نہیں ... سالا جی اچھا نہیں تھا تو پہلے ہی کہہ دیا ہوتا ....

سوگندھی ۔ وہ بات نہیں رام لال .... ایسے ہی میرا جی اچھا نہیں ...
بہت پی گئی ...

رام لال ۔ ایش کرتی ہو ایش ... تھوڑی بچی ہو تو لا، ہم بھی اپنا گلا تر کر لیں ۔

سوگندھی ۔ بچائی ہوتی تو یہ موا سر میں درد ہی کیوں ہوتا ... (التجا کے ساتھ) دیکھ رام لال وہ سیٹھ جو باہر موٹر میں بیٹھا ہے اسے یہیں سے آ ۔

رام لال ۔ بھئی واہ ... جنٹلمین آدمی ہے ، یہاں آنے سے گھبراتا ہے تو آدمی تو پہچان لیا کر ...... بھئی واہ ....

سوگندھی ۔ کہہ دے گھر میں نہیں ہے .... نہیں نہیں ...

رام لال ۔ میں سب جانتا ہوں تو یہ نخرے کیوں کر رہی ہے ... وہ سالا پونے کا حوالدار جب سے تیرے پاس آنے لگا ہے تیرا مجاز ہی بگڑ گیا ہے ....
سات سال سے یہ دھندا کر رہا ہوں ... تم چھوکریوں کی ساری باتوں کی مجھے خبر رہتی ہے .... سالی اپنا دھن برباد نہ کر ... تیرے انگ کے کپڑے بھی اتار کر لے جائے گا یہ تیرا پونے کا حوالدار ... کیا دیتا ہے تجھے!
سالا نوکٹ میں عیش کر رہا ہے ....

سوگندھی ۔ تو اس کی بات چھوڑ ... بس چلتی ہوں تیرے ساتھ ...

رام لال ۔ تجھے اس سالے نے منع کیا ہو تو مت جا ۔

سوگندھی ۔ منائی کسی بات کی نہیں ... مجھے کچھ روپوں کی ضرورت ہے ....
ساتھ والی مدراسن اپنے ملک میں جا رہی ہے ۔ بیچاری کے پاس ایک ڈیڑھیا بھی نہیں ، بہت دکھی ہے ... اپنے خرچ کے لیے تو میرے

پاس روپے ہیں، پر اس کے لیے بھی تو کچھ کرنا ہے.... چل...

رام لال۔ یوں سر جھاڑ منہ پھاڑ ہاتھ چل پڑے گی ـــ ذرا منہ پر چھینٹا مار، پوڈر دو ڈھ لگا۔ اپنی وہ پھولوں والی ساڑھی پہن....

سوگندھی۔ اچھا....

(چند لمحات کا وقفہ ـــ رام لال فلمی دھن میں سیٹی بجاتا ہے)

رام لال۔ پہلے تین تصویریں تھیں اب چار ہو گئیں ـــ یہ سالا ضرور وہ تیرا پونے کا حوالدار ہوگا ـــ واہ رے میرے حوالدار ـــ ایسا لگتا ہے توپ کے منہ کے سامنے بیٹھا ہے (ہنستا ہے) چل جلدی اب.... یہ تو تیرا انسی پالٹی کا داروغہ ہے ـــ اور یہ وہ بیڑی والا سیٹھ ـــ سالے نے آج تک ایک بیڑی نہیں پلائی ـــ اور یہ.... جلدی کر سوگندھی... ارے واہ.... یہ پھولوں والی ساڑھی تجھ پر خوب پھبتی ہے ـــ لوٹ پوٹ ہی ہو جائیں ـــ ہمارے سیٹھ تجھے دیکھ کر ـــ چل اب چل ـــ

سوگندھی۔ ٹھہر.... میں ایک ڈونگا پانی کا پی لوں ـــ پیاس لگتی ہے۔

(گھڑے میں ڈونگا ڈالنے اور پانی پینے کی آواز)

سوگندھی۔ آگ سی لگ رہی ہے سینے میں۔

رام لال۔ کمتی پیا کر.... چل اب....

سوگندھی۔ چل۔

(دونوں چلتے ہیں ـــ دروازہ کھلنے کی آواز ـــ پھر قدموں کی چاپ۔ قدموں کی چاپ چند لمحات آتی رہے اس پر ذیل کے مقالے کا کچھ حصہ سپرامپوز کیا جاسکے)

سوگندھی۔ پچھلا پہر ہے رات کا۔
رام لال۔ کوئی پہر ہو اپنا کام ہے جاتا .... کیوں؟
سوگندھی۔ ٹھیک ہے۔
رام لال۔ وہ موٹر کھڑی ہے نکڑ پر۔
سوگندھی۔ میرا جی اچھا نہیں ــــ ہوا میں برانڈی کی باس آرہی ہے۔
رام لال۔ موٹر کی سیر کرے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا ــــ لے تو اب یہاں کھڑی ہو جا ... میں بات کروں۔

(صرف رام لال کے قدموں کی چاپ)

رام لال۔ سیٹھ آ گئی .... ایک دم اچھی چھوکری ہے، ہنسنے کھیلنے والی، تنگ کرے تو ہیر اِدھر ... بلاؤں ... (ذرا آواز بلند کر کے) سوگندھی ادھر آ سیٹھ بلاتے ہیں۔

(صرف سوگندھی کے قدموں کی چاپ)

رام لال۔ بیٹری جلا کے دیکھ لو سیٹھ!

(بیٹری جلانے کی آواز)

سیٹھ۔ یہ چھوکری لایا ہے تو .... (انتہائی نفرت کے ساتھ) اُونہہ .... ڈرائیور چلو ....

(ایک دم انجن سٹارٹ ہوتا ہے۔ موٹر ایک لمبا سانس لیتی ہے اور یہ جا وہ جا۔ چند لمحات تک موٹر کے چلنے کی آواز آتی رہے)

سوگندھی۔ یہ کیا ہوا؟
رام لال۔ (ہولے سے) پسند نہیں کیا تجھے۔
سوگندھی۔ پسند نہیں کیا مجھے؟

رام لال ۔ ہاں ۔

سوگندھی (ایک دم دوڑتی ہے ۔ دیوانہ وار چلاتی ہوئی) سیٹھ... او سیٹھ... سیٹھ... ذرا موٹر روک اپنی... موٹر روک اپنی... سیٹھ... او سیٹھ... موٹر روک اپنی... (گلے میں آواز رندھ جاتی ہے) سیٹھ... (آواز میں التجا سی پیدا ہو جاتی ہے) سیٹھ... ذرا موٹر روک اپنی....

رام لال ۔ کیا ہو گیا تجھے سوگندھی ؟

سوگندھی (اپنے خیال میں)... چلا گیا... میرے منہ پر تھوک کر چلا گیا۔ مجھے پھٹکار کر دھتکار کر چلا گیا ۔

رام لال ۔ میرا وقت بھی خراب کیا سالے نے ۔

سوگندھی (اپنے خیال میں) اونہہ... یہ چھوکری لایا ہے تو... یہ چڑیل .... یہ چھچھوندر.... اونہہ....

رام لال ۔ چل ۔ اب گھر چل ۔

سوگندھی ۔ اونہہ... دس روپے اور یہ چھوکری... تجھ کیا بڑی ہے ....

رام لال ۔ چل اب ہٹا اس قصّے کو ۔

سوگندھی ۔ رام لال ایک بار تو اس سیٹھ کو پکڑ کر میرے سامنے لے آ... ایک بار پھر وہ بیٹری کی روشنی میرے منہ پہ مارے اور " اونہہ " کرے .... میں اس کا منہ نوچ لوں... اس کے سر کا ایک ایک بال اکھیڑ ڈالوں .... ٹانگوں سے پکڑ کر موٹر کے باہر گھسیٹ لوں اور دھڑا دھڑ مکے مارنا شروع کر دوں اور جب تھک جاؤں... (ہانپنا شروع کر دیتی ہے) جب تھک جاؤں تو.... تو رونے لگ جاؤں ....

رام لال ۔ کیا ہو گیا تجھے !

سوگندھی (روتی آواز میں) یہ سچ ہے کہ میرا وہ پہلا سا رنگ روپ نہیں رہا جب مجھے کوئی چنتا نہیں تھی اور میں اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتی تھی پر ...۔ پر میری جوانی بالکل تو نہیں ڈھل گئی ... میں ایسی بری تو نہیں ہو گئی کہ لوگ میرے منہ پر تھوک دیں ....

رام لال ۔ تجھے برا کس نے کہا ہے ۔

سوگندھی (غصے کے ساتھ) تیرے اس موٹر والے سیٹھ نے) ایک دم گالی دیتے دیتے رک جاتی ہے ... جی چاہتا ہے ایسی گالی دوں ۔ ایسی گالی دوں ... پر گالی دینے سے کیا ہو گا ... میرے سامنے ہو تو میں اس سے صرف ایک بات کہوں ... کپڑے پھاڑ کر اس کے سامنے کھڑی ہو جاؤں ۔ اور کہوں ... کیا کہوں کیا نہ کہوں ... کچھ سمجھ میں نہیں آتا ... میرے سارے سر میں اس کی "اونہہ" نے ہلچل مچا دی ہے ... (توقف) ... میں نے اس کا کیا بگاڑا تھا جو اس نے میرا اپمان کیا ....

(موٹر کا انجن پھڑپھڑاتا ہے ایک لحظے کیلئے)

سوگندھی ۔ موٹر آ گئی ....

رام لال ۔ یہ تو سامنے والی دوکان کا بوڑھی گھڑ کا ہے ... تیرے کان بج رہے ہیں ۔

سوگندھی (ہولے ہولے) میرے کان بج رہے ہیں ... سچ مچ میرے کان بج رہے ہیں ۔ مجھ میں کیا برائی ہے رام لال ... بتا ... میں نے آج تلک کسی بری شکل والے کو اپنے گھر سے دھتکارا ہے ؟ ... میرے بستر پر ۔ میرے ہاتھوں پر ... میرے منہ پر لوگ الٹیاں کرتے رہے ہیں ... مجھے گھن آئی

تھی۔ پر میں نے کبھی ان کو معلوم نہیں ہونے دیا۔

رام لال۔ بیٹی میں چلا... (قدموں کی چاپ)

سوگندھی۔ موٹر ایک بار پھر آجائے... صرف ایک بار... سیٹھ میرے منہ پر پھر بتی کی روشنی مارے... مجھے دھتکارے... پر تھوڑی سی مہلت دے کہ میں اُسے جواب تو دے سکوں۔

سوگندھی (خود ہی بولے مگر بالکل دوسرے ہی لہجے میں ایسا معلوم ہو کہ اُس کا ناطق وجود بول رہا ہے)... کیا جواب دے گی تو... ایک بار پھر آئے... ایک بار پھر آئے... یہ کیا رٹ لگا رکھی ہے تو نے... چل گھر چل... ٹھنڈے پانی کا ایک ڈونگا پی اور رام مل کے سو جا... سیٹھ اور اس کی موٹر کی ایسی تیسی...

سوگندھی (خود) سیٹھ اور اُس کی موٹر کی ایسی تیسی... پر... پر...

(موٹر کا انجن پھڑ پھڑاتا ہے)

سوگندھی۔ یہ کیا۔

سوگندھی (اس ناطق وجود) کچھ بھی نہیں... تیرے کان بج رہے ہیں... چل گھر چل... پگلی... کسی کے کہنے سے آدمی بُرا تھوڑا ہی ہو جاتا ہے۔

سوگندھی (خود) بات تو سچی ہے... کسی کے کہنے سے آدمی بُرا تھوڑی ہو جاتا ہے۔

سوگندھی (ناطق وجود)... یاد ہے پچھلے کرسمس میں احمد آباد کا ایک لونڈا تیرے پاس آکے ٹھہرا تھا۔ اُس کا بٹوا کہیں گم ہو گیا تھا —— تو نے اُس کے دس روپے واپس دے دیئے تھے...

سوگندھی (انتہائی بیچارگی کے ساتھ) اس سمے کوئی مجھ سے کہہ دے سوگندھی۔

تو ہے ہی اچھی ... چل اب گھر چل ...

سوگندھی (خود) چل - اب گھر چل ....

(چند لمحات تک قدموں کی چاپ ... دروازے کی کنڈی کھڑکھڑاتی ہے)

سوگندھی (حیرت سے) یہ تالا کس نے کھولا ؟

(دروازہ کھولتی ہے)

سوگندھی - کون ... مادھو -

مادھو (ہنستا ہے) ... آج تو نے میرا کہا مان ہی لیا .... فجر کی سیر تندرستی کے لیے بڑی اچھی ہوتی ہے (ہنستا ہے) ہر روز اسی طرح سیر کو جایا کرے تو تیری ساری سستی یوں دور ہو جائے، یوں (چٹکی بجاتا ہے) ... وکٹوریہ گارڈن تک تو ہو آئی ہو گی تو ... کیوں ؟ (ہنستا ہے)

سوگندھی - میں آج تیری راہ ہی دیکھ رہی تھی -

مادھو (ہنستا ہے) ... ہنستے ہنستے تھوڑا سا چونک کر) میری راہ دیکھ رہی تھی تو ... تجھے معلوم تھا کہ میں آج آنے والا ہوں -

سوگندھی (مسکرا کر) میں نے رات تجھے سپنے میں دیکھا تھا ... اٹھی تو کوئی بھی نہیں تھا۔ سوچی نے کہا چلو کہیں باہر گھوم آئیں ... اور ....

مادھو (کھسیانی سی ہنسی کے ساتھ) اور میں آ گیا ... بھئی وہ کسی نے کہا ہے کہ دل کو دل سے راہ ہے ایک دم ٹھیک ہے ... یہ سپنا تو نے کب دیکھا تھا۔

سوگندھی - چار بجے ہوں گے -

مادھو - اور میں نے ... میں نے کتنے بجے دیکھا تھا ... ہاں دو بجے ... جیسے تو پھولوں والی ساڑھی ... ارے بالکل یہی ساڑھی پہنے میرے بازو

میں کمڑی ہے ... تیرے ہاتھوں میں ... کیا تھا تیرے ہاتھوں میں ....
ہاں تیرے ہاتھوں میں روپیوں سے بھری ہوئی تھیلی ہے ۔

سوگندھی ۔ تھیلی ؟

مادھو ۔ ہاں تھیلی ... تو نے یہ تھیلی میری جھولی میں رکھ دی اور کہا "مادھو تو چنتا کیوں کرتا ہے ... ارے لیتا کیوں نہیں تیرے میرے پیسے کوئی دو ہیں" ... یہ سن کر سوگندھی تیری جان کی قسم ، ایک دم ٹکٹ کٹا کے ادھر چلا آیا ... کیا سناؤں ۔ بڑا لفڑا ہو گیا ہے بیٹھے بٹھائے ایک کیس میں پھنس گیا ہوں ۔

سوگندھی ۔ کیس ؟ .... (گھبرا کر) جیل ویل کا تو ڈر نہیں ۔

مادھو ۔ بیس تیس روپے ہوں تو انسپکٹر کی مٹھی گرم کر کے چھٹکارا مل سکتا ہے ... لیٹ جا آرام سے ... تیرے پیر دبا دوں ۔ سیر کی عادت نہ ہو تو تھکن ہو ہی جایا کرتی ہے ... ادھر میری طرف پیر کر کے لیٹ جا ۔

سوگندھی ۔ تو مٹھی چاپی چھوڑ مادھو ... میرا تو دل دھک دھک کرنے لگا ہے ۔ ساری بات سنا مجھے ۔ بیس تیس کیا سو پچاس بھی خرچ ہو جائیں تو کوئی بات نہیں ۔۔۔ واپس کب جائے گا تو ۔

مادھو ۔ دوپہر کی گاڑی سے ... زیادہ دینے کی ضرورت نہیں ... پچاس میں کام چل جائے گا ۔

سوگندھی ۔ سو لے جا ...

مادھو ۔ سو ؟

سوگندھی ۔ ہاں ہاں ... ادھر ہٹ ۔ مجھے اٹھنے دے ۔
——— وقفہ ———

سوگندھی ۔ چپکا رہ کے بیٹھے تا تو سے ۔
مادھو (ہنستا ہے) تصویروں کے پیچھے چھپا کے رکھا ہے مال ... (ہنستا ہے)
(سوگندھی کھل کھلا کے ہنستی ہے ـــــ تیز اور نوکیلی ہنسی)
مادھو (گھبراہٹ کے ساتھ) کس کا فوٹو دیکھ کر تو ہنستی ہے اس زور سے)
سوگندھی ۔ اس کی ... ہلسی پالٹی کے اس داروغہ کی ... مادھو ذرا اٹھو بڑا تو دیکھ
اس کا ... کہتا ہے ایک رانی مجھ پر عاشق ہو گئی تھی ... (انتہائی نفرت
کے ساتھ) ... اونہہ ... (فریم کیل سمیت اکھاڑ لیتی ہے ـــــ پھر
فرش پر دے مارتی ہے شیشہ ٹوٹنے کی آواز) رانی بھنگن کچرا اٹھانے
آئیگی تو میرے اس راجہ کو بھی لے جائے گی اپنے ٹوکرے میں (میٹھی ہنسی)
مادھو (کھسیانی ہنسی) ہی ہی ہی ...
سوگندھی (دوسرا فریم کیل سمیت اکھاڑتی ہے) اس سالے کا یہاں کیا کام ہے ۔
... بھونڈی شکل کا کوئی آدمی یہاں نہیں رہے گا ... کیوں مادھو ؟
(فریم زمین پر پٹک دیتی ہے)
مادھو (کھسیانی ہنسی) ہی ہی ہی ...
سوگندھی ۔ اور یہ گھن چکر ... اور ...
مادھو ۔ (کھسیانی ہنسی) ... میرا فوٹو ۔
سوگندھی (ایک فریم اکھیڑتی ہے پھر دوسرا)
مادھو ۔ ہائیں !
(سوگندھی دونوں فریم فرش پر دے مارتی ہے)
مادھو (ہنسنے کی کوشش کرتا ہے) اچھا کیا ... مجھے یہ فوٹو پسند نہیں تھا ۔

(ہنسنے کی کوشش کرتا ہے)

سوگندھی (بالکل بدلے ہوئے لہجہ میں) تجھے اپنا فوٹو پسند نہیں تھا... یہ اپنی صورت تو بہت پسند ہوگی۔

(مادھو ہنسنے کی کوشش کرتا ہے)

سوگندھی۔ یہ تیری پکوڑا ایسی ناک.... یہ تیرا بالوں بھرا ماتھا... یہ تیرے سوجے ہوئے نتھنے.... یہ تیرے مڑے ہوئے کان.... یہ تیرے منہ کی باس یہ انگ کا میل... بڑا اسٹدر جوان ہے نا تو... پونے میں حوالدار ہے ... مہینے میں دو تین دن میرے ہاں آتا ہے...

مادھو (جھڑک کر) سوگندھی... مجھے ایسا لگتا ہے کہ تو نے پھر اپنا دھندا شروع کر دیا ہے —— دیکھ اب کے تجھ سے آخری بار کہتا ہوں —— مان جا میرا کہنا۔ نہیں تو پچھتائے گی —— عزت آبرو کے ساتھ رہ —— اس مہینے کا خرچ پونا پہنچتے ہی تجھے منی آرڈر کر دونگا —— کیا بھاڑا ہے اس کھولی کا؟

سوگندھی۔ اٹھارہ روپے بھاڑا ہے اس کھولی کا اور دس روپے بھاڑا ہے میرا؟

(مادھو کے انداز میں)... اور جیسا تجھے معلوم ہے ڈھائی روپے دلالی کے باقی رہے ساڑھے سات —— رہے نا ساڑھے سات —— پگلے تیرا میرا ناطہ ہی کیا ہے، کچھ بھی نہیں —— بس یہ دس روپے ہیں جو تیرے اور میرے بیچ میں بج رہے ہیں —— آ۔ دونوں مل کر کوئی ایسی بات کریں کہ تجھے میری ضرورت ہو اور مجھے تیری —— کیا بھاڑا ہے یہاں سے پونے کا ... یہ تیری ناک اتنی لال کیوں ہو رہی ہے اور یہ تو نے اپنے بالوں کا کیا ستیاناس کر رکھا ہے ——————

مادھو۔ سوگندھی ۔ میری ٹوپی ....

سوگندھی ۔ تو ٹوپی کہتا ہے اسے ... یہ تو چیتھڑا ہے ... کتنی باس مارتا ہے۔ اٹھا کے باہر پھینک اس کو ——

(ٹوپی گرنے کی آواز)

مادھو ۔ سوگندھی ——

سوگندھی ۔ کیا بجاڑا ہے یہاں سے پونے کا ... پربلبونر کا دیا بہت کچھ ہے پونے میں حوالداری چھوڑ —— کیا تجھے یہ دھندا کرتے لاج نہیں آتی میرے یہاں عزت آبرو کے ساتھ رہ ... کیا بجاڑا ہے یہاں سے پونے کا ؟

مادھو ۔ سوگندھی ۔

سوگندھی ۔ سوگندھی کے بچے تو آیا کس لیے ہے یہاں ... ماں رہتی ہے تیری اس کھولی میں جو تجھے پچاس روپے چپکے سے دے دے گی یا تو کوئی ایسا گبھرو جوان ہے جو میں تجھ پر عاشق ہو گئی ہوں ۔ کمینے کتے مجھ پر رعب گانٹھتا ہے ... بھنگ منگے تو اپنے آپ کو سمجھ کیا بیٹھا ہے —— چور اچکے —— لفنگے —— شہدے —— بدمعاش ....

مادھو (دب کر) سوگندھی ۔ کیا ہو گیا ہے تجھے ؟

سوگندھی ۔ تیری ماں کا سر ... اُلو کے پٹھے تو ہوتا کون ہے مجھ سے یہ پوچھنے والا ۔ نکل یہاں سے ... دور ہو جا میری نظروں سے ....

(کتا بھونکنا شروع کرتا ہے)

مادھو ۔ م .... م .... میری ٹوپی ۔

سوگندھی۔ پڑی رہنے دے یہیں۔ خبردار جو تو نے اُٹھائی... تو پُوتنا ہے نہیں اسے منی آرڈر کردُوں گی (ہنسنا شروع کرتی ہے — بے تحاشا — کتا اس ہنسی کا ساتھ دیتا ہے اور زور زور سے بھونکتا ہے — چند لمحات کے بعد بھونکتا بھونکتا وہ مائکروفون سے دُور ہو جاتا ہے جیسے وہ مادھو کے پیچھے پیچھے باہر چلا گیا ہے — سوگندھی کی تھکی ہوئی ہنسی کی آواز آتی ہے جو فوراً ہی سسکیوں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ سوگندھی پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیتی ہے...)

سوگندھی (سسکیوں کے ساتھ اپنے کتے کو پچکارتی ہے) پچ پچ پچ... موتی... آ میرے جانی آجا... آجا... آ سو جائیں...

(لوری کا میوزک شروع ہوتا ہے... سوگندھی کتے کو لوری دیتی ہے — لفظ ادا نہیں کرتی صرف ہوں ہوں کر کے لوری کا انترہ اور استھائی گاتی ہے — آہستہ آہستہ فیڈ آؤٹ)

رندھیر پہلوان

رندھیر پہلوان	آواز موٹی اور کرخت
ساوتری	زمیندار کی بھولی بھالی لڑکی ـــــ آواز لرزاں
شامو	ساوتری کا چاہنے والا ـــــ تیز مزاج جوان خیال
زمیندار	ساوتری کا باپ ۔ ریاکار اور چالباز
منیم	ـــــــــــــــ
شامو کی ماں	ـــــــــــــــ
مادھو	رندھیر پہلوان کا شاگرد
تھانیدار	ـــــــــــــــ

اور گاؤں کی تین چار لڑکیاں ـــــ چار پانچ ایکسٹرا۔

(ڈھور ڈنگروں کے ہانکنے کی آواز ـــــ گھنگھروؤں کی جھنجھناہٹ وغیرہ وغیرہ ـــــ ہانکنے کے ساتھ یہ آواز بھی آتی ہے "ارے تجھے سانپ کاٹے ـــــ تیری ٹانگ ٹوٹ جائے . . . . ذیل کا گیت شروع ہو۔ جس کے عقب میں گاتے بیلوں کے ڈکرانے اور ان کے گلے میں بندھی ہوئی گھنٹیوں کی آواز آتی رہے)

گیت

لیئے ڈانگر ڈھور چرا ——— چلو درسن کرلیں ہیر کے

گھٹا گرج گرج کے آ رہی

بھر بھر کے پانی لا رہی

رہے بول پپیہے ہور ——— ہم چیلے را نجھے ہیر کے

نوٹ :۔ جب گھٹا کا ذکر آئے تو عقب میں بجلی کے کڑکنے کی آواز پیدا کی جائے۔

شامو (ایک لمبا سانس لیتا ہے) ابھی تک آئی کیوں نہیں ——— کہیں نظر ہی نہیں آئی ——— من میں کیسے کیسے وہم اُٹھتے ہیں ——— کبھی گائے سے غصے میں) اسے تجھے سانپ کاٹے سیدھی ہو کے چل ——— (پھر لمبا سانس لیتا ہے) مسک بُری بلا ہے ——— مسک بُری بلا ہے ——— کہاں میں ایک گریب مجدُور اور کہاں وہ گاؤں کے جمیدار کا بیٹا ——— یہ بہت بُرا پھنسا ہے شامو بیٹا تو اُس پریم کے چکر میں ———

(ساوتری کی تیز ہنسی کی آواز)

شامو (چونک کر) کون ——— ساوتری

ساوتری (ہنستی ہے) ——— بہت بُرا پھنسا ہے تو اس پریم کے چکر میں (مصنوعی سنجیدگی کے ساتھ) بہت بُرا پھنسا ہے ——— یہی بات ہے نا شامو۔ تو تُو صاف کہہ دے تیری میری ٹوٹ گئی ——— میں تو یہ پہلے ہی جانتی تھی کہ تو ایسا ہی کرے گا

شامو۔ یہ آج تو کس بات پر بگڑ بیٹھی ہے۔ ارے بھئی سُنا تو ہو نا۔ میں کیا کہہ رہا تھا۔ میں تو نصیب کی بات کر رہا تھا۔ کیا یہ جھوٹ ہے کہ تو ہمارے جمیدار کی بیٹی ہے۔

اور کیا یہ سچ نہیں کہ میں ایک غریب مجدور ہوں (ہنستا ہے) ساوتری پریم کے پنچھی تیار رہے ہیں جو ہوگا دیکھا جائے گا — چھوڑو تو ان باتوں کو آ چلیں۔

ساوتری (بگڑ کر) آ چلیں — تجھے پتہ بھی ہے کہ میں یہاں دو گھنٹے سے تیری راہ دیکھ رہی ہوں۔ سچ سچ مرد بڑے وہ ہوتے ہیں — میں نہیں چلوں گی۔ یہ بھی کوئی بات ہے کہ تیرے لیے ہر روز مجھے باپو کی جھڑکیاں سہنی پڑیں تو تو چپکے سے اپنے گھر چلا جاتا ہے۔

شامو۔ جتنی جھڑکیاں تجھے اب تک ملی ہیں سب کی سب مجھے دے دے رے بس اب خوش ہو گئیں۔

ساوتری۔ نہیں شامو۔ اب میں چلتی ہوں — بہت دیر ہو گئی اور پھر گھٹا چھا رہی ہے اگر راستے میں برکھا شروع ہو گئی تو کیا ہوگا — تجھے دیکھ لیا ہے بس آج یہی کافی ہے۔

ساوتری۔ جانے کو جی تو نہیں چاہتا پر کیا کروں۔ باپو کا ڈر بھی تو ہے ان کو پتہ چل گیا تو مار ہی ڈالیں گے — ہاں تیرے سر میں کل درد ہو رہا تھا۔ اب کیا حال ہے۔

(چار پانچ لڑکیوں کی ہنسی کی آواز)

ایک لڑکی (مصنوعی مردانہ آواز میں) ابھی کچھ کچھ درد ہے تو سر دبا دے تو توں چٹکیوں میں آرام آ جائے گا۔

شامو (گھبرا کر گالیوں کو ہانکتا ہے اور ذو معنی انداز میں چلّاتا ہے — ارے تجھے سانپ کاٹے — تیری ٹانگ ٹوٹ جائے —

دوسری لڑکی۔ ساوتری، بیچارے کا سر دبا دیا ہوتا… پر میں پوچھتی ہوں یہ مزا کیا ہوتا ہے۔

تیسری لڑکی ۔ اری سُن تو ـــــ بڑی چالاک بنتی ہے ـــــ سُنا وہ مؤا تجھے گالی دے گیا ہے ۔
ساوتری ۔ جھوٹ کیوں بکتی ہے ۔ اُس نے گالی کب دی ہے ۔
پہلی لڑکی ۔ دیکھ ساوتری ۔ اگر اُس موئے نے سچ مچ مجھے گالی دی ہے ۔ تو مجھ جیسا بُرا کوئی نہ ہوگا ـــــ میں لحاج نہ کروں گی ۔
ساوتری ۔ اُس نے تجھے گالی تھوڑے دی ہے ـــــ وہ تو اپنے دھیان میں جا رہا ہے ۔
پہلی لڑکی ۔ بنسری تو مجھے بتا ۔ کیا کہا تھا اُس نے ؟
(دُور سے شامو کی آواز آتی ہے) ـــــ اے تجھے سانپ کاٹے ـــــ تیری ٹانگ ٹوٹ جائے ۔
تیسری لڑکی ۔ یہی کہا تھا ، جواب کہہ رہا ہے ۔
ساوتری ۔ بنسری تُو تو ایک الفتی ہے ، جنگ کرائے گی ـــــ وہ اُس کو تھوڑے کہہ رہا ہے ۔ دیکھتی نہیں گائیں ہانک رہا ہے ۔
پہلی لڑکی ۔ لے ، میں نے مان لیا ـــــ اب بتا اُس شامو کے ساتھ یہ میٹھی میٹھی باتیں کیا کر رہی تھی ـــــ بھئی بندو ، کچھ بھی ہو ۔ ساوتری نے اپنے لیے اچھا گھر ڈھونڈا ہے ۔
ساوتری ۔ چل ہٹ ۔ لاج تو نہیں آتی ۔ ایسی باتیں کرتے ۔
پہلی لڑکی ۔ اوہو ـــــ بڑی آئی میری لاج والی ۔
دوسری لڑکی ۔ میں بھی کہوں کہ روز یہ گھاٹ کی طرف کیوں آتی ہے ؟ ـــــ
تیسری لڑکی ۔ اُس گوالے سے ملنے ؟

پہلی لڑکی۔ تو کیا ہؤا —— گوالوں کے پہلو میں دل نہیں ہوتا۔

(سب زور سے ہنستی ہیں —— آہستہ آہستہ یہ ہنسی فیڈ ہو جائے)

(رندھیر پہلوان ہنستا ہے —— زور زور سے)

مادھو۔ اماں جانے دو استاد —— تمہارے پہلو میں دل نہیں پتھر ہے وہ کراری لونڈیا ہے کہ میں کیا کہوں؟

رندھیر (ہنستا ہے) اجی ہٹاؤ —— تم پالسہ پھینکو

مادھو۔ پھینکتا ہوں —— پر استاد کہی میں سے دل کی بات ہے — بر سالا ستا مو قسمت کا دھنی ——

رندھیر (غصے میں بات کاٹ کر) تم پالسہ پھینکتے ہو یا نہیں!

مادھو (ڈر کر) یہی بات تمہاری مجھے اچھی نہیں لگتی — ذرا سی بات پر گرجنے لگتے ہو —— لو، یہ پچیس دھرے پڑے ہیں۔

رندھیر۔ مادھو — یہاں دس اور پچیس پھینکے ہیں —— لو یہ پچیس دیکھ لو اور۔ اور یہ دس —— صدقے جائیے راجہ نل کے دس ہی آئے۔

مادھو۔ استاد، راجہ نل کو تو تم نے سدھ کر لیا۔ پر وہ لونڈیا ساوتری تم سے رام نہیں ہوئی۔

رندھیر (غصے میں) کے بار تم سے کہہ چکا ہوں کہ مادھو تم مجھے نہ چھیڑا کرو، ورنہ کسی روز تاؤ میں آ کر میں کچھ کر بیٹھوں گا پر تم ملتے ہی نہیں —— پہلوان آدمی ہوں۔ ڈنٹر پیلتا ہوں۔ مگدر گھماتا ہوں، مجھے عشق سے کیا کام —— شرابی کبابی ہوں سرکار مجھے دس نمبریوں میں گنتی ہے کئی بار جیل ہو چکی ہے عشق کیا خاک کروں گا —— ہاں سوچنے کی بات ہے۔

— وقفہ —

مادھو۔ تو چھوڑا اس قصے کو — چلو ایک دو بازی اور چوسر کی رہے —

رندھیر (افسردگی کے ساتھ)... نہیں بھائی — بس اب کل —

مادھو۔ چلے!

رندھیر۔ ہاں بھئی اب اکھاڑے کی طرف جاؤں گا — آنا ہو تو اُدھر آجا ئیو۔

— وقفہ —

(اس وقفے کے بعد رندھیر بھدی آواز میں گانا شروع کرتا ہے :۔

دیولنہ بنانا ہے تو دیوانہ بنا دے — ورنہ کہیں تقدیر تماشا نہ بنا دے

(اس شعر کو ہر بار رندھیر کئی مرتبہ دہراتا ہے)

رندھیر (اونچی آواز میں جیسے دُور بیٹھے آدمی کو مخاطب کر رہا ہے)... دینو کاکا۔

دینو۔ سرکار — کیا حکم ہے؟

رندھیر۔ لسی بنائی؟

دینو۔ ابھی بنا دیتا ہوں۔

رندھیر۔ نہیں — میں آج ہی پیوں گا۔

دینو۔ ادھر دوکان کی طرف تو آئیے پہلوان صاحب — مزاج کیسے ہیں آپ کے؟ — ہاں کل کی ہار جیت کیسی رہی؟

رندھیر۔ کیسی ہار اور کیسی جیت مطلب شراب سے ہے سو وہ مل ہی جاتی ہے۔

(گانا ہوا چل دیتا ہے) دیوانہ بنانا ہے تو دیوانہ بنا دے... ورنہ کہیں.....

دینو۔ دربار ی مل کچھ سُنا تم نے — یہ رندھیر پہلوان گا رہا ہے —

(گانے کی آواز جو دُور سے آئے)

درباری مل۔ بھئی واہ۔ کیا گلا پایا ہے۔ پر میں پوچھتا ہوں، آج اسے گانے کی کیا سوجھی ہے ــ پہلے تو کبھی گانا یوں سوار نہیں ہوا تھا، پہلوان پر!
(رندھیر کے گانے کی آواز آتی ہے ــ دیوانہ بناتا ہے تو دیوانہ بنا دے ورنہ کہیں تقدیر...)
(آہستہ آہستہ فیڈ کیا جائے)
(ساوتری پرسوز دھن میں ذیل کا گیت گائے)

تیرے بنا یہ دنیا ساری جہر دکھائی دے
گولی جیسا جکھم پڑا منے پھیر دکھائی دے
اب سوچ لیا یوں من میں
کیوں ڈالی جان الجھن میں
ان سیلی باتوں میں نہ کھیر دکھائی دے
تیرے بنا یہ دنیا ساری جہر دکھائی دے

(ساوتری گانے کے بعد ٹھنڈی سانس بھرتی ہے)
شامو کی ماں۔ ساوتری؟
ساوتری (ڈر کر) کون ہے؟
شامو کی ماں۔ ڈر نہیں بیٹا ــ میں ہوں شامو کی ماں!
ساوتری۔ کیا ہے ماتا جی؟
شامو کی ماں۔ اِدھر آ میرے پاس ــ گھبرا نہیں مجھے ساری باتوں کی خبر ہے۔ اسی لیے تو تیرے پاس آئی ہوں ــ دیکھ ساوتری تیرا اور شامو کا کوئی جوڑ نہیں تو ایک دھنوان کی بیٹی ہے اور وہ ایک غریب مجدور۔

اسس میں تیری ہی بدنامی ہے بیٹیا ــــ اسس کو سمجھاتی ہوں پر وہ پر دن
پر پانی ہی نہیں لیتا ۔ مجھے کوئی بات ہی کرنے نہیں دیتا ۔ اسی واسطے تیرے
پاسس آئی ہوں کہ تو سمجھ دار ہے ۔

ساوتری ۔ ماتا جی ــــ بن ــــ میں ....

شامو کی ماں ۔ میں کہتی ہوں اگر تم دونوں نہ مانو گے تو جرور کوئی بہت گڑبڑ ہو
جائے گی ــ اس کا تو سر پھر گیا ہے ۔ میں سنتی ہوں کچھ دنوں سے اسس
نے کسانوں کو جمعدار جی کے کھلاف اکسانا شروع کر دیا ہے ۔ میں تجھ
سے کیا کہوں بیٹا میری جان تو بڑے جوکھم میں پھنس گئی ہے ــــ
جب سے یہ بات سُنی ہے میرا دل بتاشے کی طرح بیٹھا جا رہا ہے
میرا کہا مان اور اسس سے ملنا چھوڑ دے ــــ

ساوتری ۔ پر ماتا جی ... (رونا شروع کر دیتی ہے) ... یہ کیسے ہو سکتا
ہے ۔ میں اسس سے ملنا کیسے چھوڑ سکتی ہوں ــ (سسکیاں) ... آپ
مجھ سے یہ کیوں کہتی ہیں ــــ میں ــــ میں ...

شامو کی ماں ۔ بات سُن ــــ ساوتری ــــ ساوتری ــــ ارے
تو نے رونا شروع کر دیا ہے ــــ جرا ٹھہر تو ــــ (اپنے آپ سے)
بھاگ گئی (پیروں میں پہنے ہوئے چھاجھنوں کی آواز ــــ (وقفہ) ۔
اسس کے دوران میں ساوتری کے چلنے کی آواز آتی ہے ۔ آہستہ آہستہ
ساتھ ہی ساتھ سسکیاں بھی سنائی دیں)

ساوتری (روتی آواز میں) میں اب کہاں جاؤں ــــ کیا کروں ــــ
اب کیا ہو گا ؟ ــــ

(تھوڑے وقفے کے بعد گاتی ہے۔ درد بھری دھن میں۔

تیرے بنا یہ دنیا ساری جیہر دکھائی دے

گولی جلیبا جگھم پڑا مینے پھر دکھائی دے

اب سوچ لیا یہ من میں

کیوں ڈالی جان الجھن میں

ان سیلی سیلی باتوں میں نہ پھر دکھائی دے

تیرے بنا یوں دنیا ساری جیہر دکھائی دے

(آہستہ آہستہ یہ گیت فیڈ کیا جائے)

زمیندار۔ آؤ پہلوان ـــــ ادھر میرے پاس بیٹھو ـــــ بیٹھ جاؤ ـــــ

رندھیر۔ آپ نے مجھے بلایا تھا۔ کیا کام ہے۔

زمیندار۔ ارے بھائی ذرا آرام تو کر لو۔ کام جب تک زندگی ہے ہوتے ہی رہیں گے (آواز دے کر) منیم جی ـــــ منیم جی

منیم۔ سرکار ـــــ کیا حکم ہے؟

زمیندار۔ رندھیر پہلوان کی۔ پچھلے مہینے اور اس مہینے کی تنخواہ تم نے ابھی تک کیوں نہیں دی ـــــ یہ بہت بری بات ہے ـــــ دیکھو آئندہ ایسی گڑبڑ نہ ہو ـــــ ہاں تو ابھی لاکر پہلوان صاحب کو دے دے ـــــ

منیم۔ بہت اچھا سرکار ـــــ

پہلوان۔ زمیندار جی۔ کیوں آپ تکلیف کرتے ہیں ـــــ آپ ہی کا تو کھاتا ہوں۔ پھر لے لوں گا۔

زمیندار۔ نہیں پہلوان۔ یہاں کوڑی کوڑی کا حساب کیا جاتا ہے ۔۔۔ تم کام کرتے ہو یہ پیسے مفت تھوڑی لیتے ہو ۔۔۔ ہاں تو یہ بتاؤ ۔۔۔ ہاں تو میں کیا بات کر رہا تھا ۔۔۔ بوتل منگواؤں ۔۔۔ وہ شراب کھچوائی ہے کہ تمہاری طبیعت صاف ہو جائے۔ منیم جی۔ وہ کل جو چار بوتلیں آئی تھیں ان میں سے دو پہلوان صاحب کی ہیں۔ کوئی اور اڑا کر نہ لے جائے۔

رندھیر۔ اپنی کھچوائی ہے ۔۔۔؟

زمیندار۔ ہاں ہاں، خاص طور پر میں نے اپنے لیے کھچوائی تھی۔ بیچ میں کئی مصالحے بھی ڈلوائے ہیں۔ ہاں بھئی پہلوان۔ قصہ یہ ہے کہ اس شامو نے کچھ دنوں سے مجھے تنگ کرنا شروع کر دیا ہے ۔۔۔ کسانوں کو میرے خلاف اکسا رہا ہے جس سے لگان وصول کرنے میں مشکل پیدا ہو گئی ہے ۔۔۔ ہے تو بڑی معمولی سی بات، پر تم جانتے ہی ہو۔ اگر میں خاموش رہا ۔۔۔ تو دوسرے شہ پکڑ جائیں گے ۔۔۔ کل منیم سے باتیں ہو رہی تھیں۔ میں نے کہا۔ ہمارا پہلوان جو ہے وہ شامو کو یوں چٹکیوں میں ٹھیک کر دے گا ۔۔۔ کیوں پہلوان۔ یہ تمہارے دائیں ہاتھ کا کام ہے ۔۔۔

رندھیر (خوش ہو کر۔ ہنستا ہے) میں سمجھا تھا نہ جانے کتنا بڑا کام آپ اس بار میرے سپرد کریں گے ۔۔۔ آپ کوئی چنتا نہ کریں ۔۔۔ شامو کی ساری اکڑفوں میں دور کر دوں گا ۔

زمیندار۔ دیکھا منیم، میں نے کیا تم سے جھوٹ کہا تھا ۔۔۔ خیر ۔۔۔ لو پہلوان یہ تھوڑی سی نمونے کے طور پر پیو ۔۔۔ اتفاق سے باہر ہی پڑی تھی۔ (انڈیلنے کی آواز ۔۔۔)

رندھیر۔ بس ۔ بس ۔ زمیندار جی بس ـــــ آپ نے تو سارا گلاس بھر دیا۔

زمیندار۔ بھئی پہلوان، پینا تمہارا ہی حصّہ ہے ـــــ ہم تو تمہارے سامنے دودھ پیتے بچے ہوئے ـــــ گلاس تم سوڈے کے بغیر ایک گھونٹ میں خالی کر دو گے۔

رندھیر۔ زمیندار جی۔ اب وہ زمانے نہیں رہے ـــــ کبھی پیا کرتا تھا ـــــ اب تو دل بہلاوا باقی رہ گیا ہے ـــــ اب وہ دم خم نہیں رہے۔

(غٹاغٹ پینے کی آواز)

زمیندار۔ پہلے تو جھٹکے ہی خالی کرتے ہو گے۔

رندھیر۔ بڑی تیز ہے ـــــ چھری کی طرح سینہ کاٹتی چلی گئی۔

زمیندار۔ تو ایک گلاس اور رہے

(اُنڈیلتا ہے)

رندھیر۔ زمیندار جی۔ اب وہ دم خم نہیں رہے۔ میں سچ کہتا ہوں۔ آج سے چھ برس پہلے اگر آپ نے رندھیر پہلوان کو دیکھا ہوتا تو . . .

زمیندار (بات کاٹ کر) .... لو پیو!

رندھیر (غٹاغٹ پینے کے بعد) بس اس شامو ہی کو ٹھیک کرنا ہے یا کوئی اور کام بھی ہے ـــــ شراب کیا ہے تیز ہے ـــــ

منیم۔ سرکار مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں شامو رندھیر کا دشمن نہ ہو جائے۔

رندھیر۔ کیا کہا (ہنستا ہے) میرا دشمن ـــــ (ہنستا ہے)

زمیندار۔ تم بھی نرے کھرے بے وقوف ہو منیم ـــــ پہلوان کو سب گُر یاد ہیں وہ سرے سے اس کا صفایا ہی نہ کر دے گا

رندھیر۔ ایک دھپّے کی مار ہے ـــــ ماں قسم (ہچکی لیتا ہے) ماں قسم ایک

ہاں قسم، ایک ڈانٹ بتاؤں تو مارے دہشت کے بیہوش ہو جائے۔
زمیندار۔ بات زیادہ بڑھانی نہیں چاہیئے، روپے پیسے کا تم کچھ فکر نہ کرو۔ اگر کوئی
ایسی بات ہو بھی گئی تو میں سب بندوبست کروں گا ـــــ پانسو روپیہ
میں نے اس کام کے لیے الگ رکھ چھوڑا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ
اگر چپکے سے یہ کانٹا نکال ہی دیا جائے تو کیا بُرا ہے ـــــ
(جوش بھرے، ہجوم کی آوازیں)
شامو۔ میں جمعدار کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہوں ـــــ اگر اس کا
بس چلے تو مجھے پھانسی پر لٹکوا دے، مگر وہ پاپی اس لیے ڈرتا ہے ـــــ
اس کے سارے بھید چونکہ میں جانتا ہوں اس لیے وہ میری پرچھائیں سے
بھی ڈرتا ہے ـــــ بھائیو میری بات یاد رکھو۔ ظالم کبھی بہادر نہیں ہوتا۔
تم بالکل نہ گھبراؤ۔ وہ تمہارا بال بھی بیکا نہ کر سکے گا ـــــ ہم اس سے بھیک
تو نہیں مانگتے ـــــ ہم اس سے وہ چیزیں مانگتے ہیں جو وہ ہم سے چھین
چکا ہے ـــــ اس کی ڈانٹ ڈپٹ میں بالکل نہ آؤ اور ایسے ہی ڈٹے رہو
سرکار کے کانوں تک یہ بات پہنچ گئی تو سمجھو بیڑا پار ہے ـــــ اس
کے ڈھول کا پول سارا کھل جائے گا۔
ایک آدمی۔ شامو بھیا، تم کو یہ بھی پتہ ہے کہ اس نے رندھیر پہلوان کو روپے
پیسے کا لالچ دے کر ہمارے خلاف کر دیا ہے ـــــ کل شراب پی
کر وہ تمہیں گالیاں دے رہا تھا ـــــ
شامو۔ میں سب جانتا ہوں ـــــ پر وہ ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے ـــــ اس کتے
کی پرواہ نہ کرو ـــــ وہ جمعدار سے بھی زیادہ پاپی ہے۔ اس کا نام نہ لو۔

میرے سامنے۔ میرا کھوں کھو لتے لگتا ہے۔

(جھانجھ کی تیز آواز)

رندھیر (سخت غصے میں) ... اس نے مجھے کتا کہا۔

مادھو۔ہاں، ہاں، استاد، میں نے ان کانوں سے سُنا ہے۔

رندھیر۔اس نے مجھے کتا کہا۔ اس نے رندھیر پہلوان کو کتا کہا۔

اب اگر وہ پر لگا کر آسمان پر اُڑ جائے تو میں اُسے زندہ نہ چھوڑوں گا

(اور زیادہ غصے میں) مادھو۔ وہ تیرے استاد کو گالیاں دیتا گیا اور تو

خاموش کھڑا رہا۔ تو نے اس کی زبان گدی سے باہر نہ کھینچی۔ لیکن

کیا ہُوا۔ میں ابھی جا کر اس کو مزا چکھاتا ہوں۔ اس نے رندھیر

پہلوان کو سمجھا کیا ہے۔

(جھانجھ کی تیز آواز)

(شامو کے گنگنانے کی آواز۔ تھوڑی دیر گنگنانے کے بعد۔

وہ یہ گیت شروع کرتا ہے)

گر کہہ دے تو منہ سے کہ میری ہے ؛ تیری اتنی ہی بات بہتری ہے

دکھڑے میں ہوں کھتری کا لڑکا

مرنے کا نہیں کرتا دھڑکا

ہیں تڑکا تڑکا رات اندھیری ہے....

رندھیر۔ تو کھڑا یہاں کیا ٹرا رہا ہے؟

شامو۔ اوہ رندھیر پہلوان ۔ کیوں میرا گانا پسند نہیں آیا۔

رندھیر۔ میں پوچھتا ہوں یہاں جھاڑیوں کے پیچھے تو اکیلا کھڑا کیا کر رہا ہے۔

شامو۔ گا رہا تھا —— اب تیرا منہ دیکھ رہا ہوں ——
رندھیر۔ تو کھتری کا لڑکا ہے نا — مرنے مارنے سے تو بالکل نہیں ڈرتا —
(طنز سے) کھتری کا لڑکا جو ہوا
شامو۔ جا۔ اب راستہ پکڑ —— بہت باتیں کر چکا ——
رندھیر۔ یہ میرے ہاتھ میں تجھے لاٹھی نظر آ رہی ہے کہ نہیں۔
شامو۔ تو لڑنا چاہتا ہے تو لڑ۔ یہ ہیرا پھیری کیا کرتا ہے۔
رندھیر۔ تجھ سے کیا لڑوں گا — یہ ایک لاٹھی تیرے سر ماروں پر تو زمین میں گھٹنوں تک گڑ جائے۔
شامو۔ تیری لاٹھی اٹھنے سے پہلے ہی اگر . . .
رندھیر۔ لے سنبھل جا (لاٹھی اٹھانے کی آواز —— پھر زور کی چیخ) کون اُف —— (سنبھل کر) . . . . ساوتری ——
ساوتری۔ شامو —— شامو —— یہ میں نے کیا کر دیا —— اب کیا ہو گا؟
رندھیر۔ ساوتری نے تیرا ماتھا لہولہان کر دیا ہے —— یاد رکھ اس کی سزا تجھے بھگتنی پڑے گی —— شامو، تجھ سے میں پھر نپٹ لوں گا۔ ساوتری بیچ میں آ گئی۔ ورنہ آج میں نے تمہارا کچومر نکال دیا ہوتا۔
(رندھیر کے جانے کی آواز)
ساوتری (ڈرے ہوئے لہجہ میں بالکل آہستہ) چلا گیا، پر مجھے ڈر ہے وہ پھر آئے گا اور تجھے مارے گا۔
شامو۔ دیکھا جائے گا —— تو اپنی بالٹی اٹھا۔
ساوتری۔ میں ان جھاڑیوں کے پیچھے چھپی ہوئی تھی۔ جب اس نے تم پر وار کرنے

کے لیے لاٹھی اٹھائی تو بالٹی اپنے آپ میرے ہاتھ سے نکل گئی ـــــ
شامو، اُس کو بہت گہری چوٹ آئی ہے ـــ وہ مجھ سے ضرور بدلہ
لے گا ـــ ہائے اب کیا ہو گا ـــــ
(رولیوں کی چھنا چھین)
زمیندار۔ آؤ ـــ آؤ پہلوان آؤ ـــ منیم ـــ یہ ڈھیری اُٹھا لو۔ باقی
حساب پھر کریں گے ـــ آؤ یہاں بیٹھ جاؤ ـــ ارے یہ تمہارے
ماتھے کو کیا ہوُا ہے۔
رندھیر۔ کچھ بھی نہیں!
زمیندار۔ کچھ بھی نہیں کیسے ـــ یہ پٹی پھر کیوں باندھ رکھی ہے ـــــ
رندھیر۔ چوٹ آگئی ہے۔
زمیندار۔ کیسے؟
رندھیر۔ کل شامو سے ذرا جھپٹ ہو گئی تھی۔
منیم۔ اور اس نے تمہیں گھائل کر دیا ـــ ہمیں کیوں بنا رہے ہو پہلوان؟
رندھیر۔ اس نے مجھے گھائل نہیں کیا۔
زمیندار۔ تو پھر کس نے کیا ـــ تم مجھے بتاؤ، وہ کون ہے؟
رندھیر۔ اب میں آپ سے کیا کہوں ـــ یہ ـــ یہ ـــ بات یہ ہے کہ چوک
مجھ سے ہی ہوئی ـــ میں اپنے ـــ میں اپنے دھیان میں رہا اور
اس نے وار کر دیا۔
منیم۔ کس نے؟
رندھیر۔ سا ـــ سا ـــ (بدل کر) شامو نے ـــ لیکن کیا ہوُا۔ آج پھر دو دو

ہاتھ ہو جائیں گے۔

زمیندار۔ لیکن بھئی رندھیر، لوگ باگ سنیں گے تو کیا کہیں گے کہ پہلوان نے اس کل کے لونڈے سے ....

مینم۔ پر زمیندار جی پہلوان کچہ تھوڑی ہے اس نے سب بندوبست کر لیا ہو گا۔

زمیندار۔ مزا تو جب ہے کہ رندھیر اپنی بدنامی سے پہلے ہی اس کا صفایا کر دے ـــــ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری ـــــ کیوں مینم؟

مینم۔ باون تولہ اور پاؤ رتی کی بات کہی ہے ـــــ

زمیندار۔ اور مجھ سے جس قسم کی امداد پہلوان لینا چاہے۔ میں دینے کو تیار ہوں ـــــ پان سو روپیہ دیتا ہوں ـــــ چپکے اپنا کام کرے اور کسی دوسرے شہر چلا جائے۔

مینم۔ اور جب معاملہ ٹھنڈا ہو جائے تو پھر واپس چلا آئے۔

رندھیر۔ روپے پیسے کی بات چھوڑیے ـــــ میں آپ کا کام کر دوں گا، زمیندار جی اور بہت جلد کر دوں گا ـــــ ایک آدمی مارنا کوئی کٹھن کام نہیں ـــــ میں کچھ اور ہی سوچ رہا تھا پر اب فیصلہ کر لیا ہے کہ شامو زندہ نہ رہے گا۔

زمیندار۔ اس پر رندھیر کام ایسے ہو کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو ـــــ میرا مطلب ہے کہ ....

(اس فقرے کا آخری حصّہ فیڈ کر دیا جائے)

ساوتری ذیل کا گیت گاتی ہے۔

ایک نظر دیکھ پیا کو برسوں ترسی ہوں

برکھا بن جو کالی بدریا

رو رو برسی ہوں
اُس من کی جی کا سہارا
دھیان میں کس دن روپ تمہارا
سمجھائے کوئی مجھ دکھیا کو
میں درس پیا کو ترسی ہوں

رندھیر (موٹی آواز میں .... ساوتری ...

ساوتری (ڈر کر چھپتے ہوئے) .... اوئی —— کون —— ؟

رندھیر ۔ میں —— رندھیر پہلوان جس کا ماتھا کل تو نے گھائل کیا تھا یاد ہے ۔ میں نے اس وقت کیا کہا تھا ؟

ساوتری (سہم کر مجھے ماپھ کردو رندھیر —— مجھے ماپھ کردو —— مجھے بخش دو ——

رندھیر (ہنستے ہوئے) کیوں ڈر گئیں ۔

ساوتری (لرزاں آواز میں) ہاں !

رندھیر ۔ ٹھیر جا —— جاتی کہاں ہے —— بدلہ لیے بنا میں تجھے بالکل نہیں چھوڑونگا تو نے سمجھا کیا تھا مجھے —— رندھیر پہلوان ہوں —— رندھیر پہلوان —— خون ہی پی جایا کرتا ہوں ——

ساوتری (بہت زیادہ سہم کر) ۔ مجھے ماپھ کردو ——

رندھیر ۔ کیوں معاف کردوں —— کیا تو نے میرا ماتھا زخمی نہیں کیا —— ؟ (رعب دار آواز میں) میں بدلہ لیے بنا تجھے کبھی نہیں چھوڑوں گا —— جن ہاتھوں نے میرا ماتھا زخمی کیا ہے اس پر پٹی باندھیں گے ——

بول باندھے گی پٹی ؟

ساوتری ۔ باندھوں گی پہلوان !

رندھیر ۔ تو اپنی اوڑھنی سے کپڑا پھاڑ اور پٹی بنا کر میرے ماتھے پر جلدی باندھ ورنہ ... کپڑا پھاڑنے کی آواز ۔ چل باندھ ـــــ کھڑی سوچتی کیا ہے ؟

ساوتری ۔ پہلوان تم بیٹھ جاؤ تو میں باندھوں ـــــ یوں میرا ہاتھ نہیں پہنچے گا ـــــ

(رندھیر پہلوان ہنستا ہے)

رندھیر ۔ لے بیٹھ جا ـــــ

(وقفہ ـــــ پٹی باندھی جاتی ہے)

ساوتری ۔ اب میں جاؤں ـــــ پٹی میں نے باندھ دی ہے ـــــ

رندھیر ۔ پھونک بھی مارو ـــــ

(پھونک مارنے کی آواز)

ساوتری ۔ جاؤں ؟ ـــــ اب جاتی ہوں ۔

رندھیر ۔ بھاگتی ہے ـــــ ٹھیر جا ۔ بھاگتی کہاں ہے ؟

ساوتری ۔ چھوڑ دے ـــــ چھوڑ دے مجھے ـــــ رندھیر چھوڑ دے میری کلائی ـــــ میری چوڑیاں ٹوٹ جائیں گی ـــــ

رندھیر ۔ کہاں گئی تیری وہ چلبلاہٹ ـــــ ایک مروڑا دوں ۔

ساوتری ۔ میری کلائی ٹوٹ جائے گی رندھیر (درد کے باعث چلاتی ہے) چھوڑ دے چھوڑ دے مجھے (رونا شروع کر دیتی ہے) پرماتما کرے نہ رہے، تو اس دنیا کے تختے پر کیڑے چلیں تیرے بدن پر ـــــ کھڑے کا کھڑا زمین میں سما جائے ـــــ

رندھیر (ندامت آمیز لہجے میں) ساوتری —— ساوتری
ساوتری (روئے چلی جاتی ہے) پرماتما کرے تجھ پر بجلی گرے —— تیری جوانی لُٹ جائے —— جس طرح تو نے میری کلائی مروڑی ہے —— پرماتما کرے تیری گردن مروڑی جائے (زیادہ شدت سے روتی ہے)
رندھیر (پچکارنے کے انداز میں) نہ رو —— نہ رو ساوتری نہ رو —— تو روتی ہے تو میرے دل کو بڑا دُکھ ہوتا ہے —— میں نے تو تجھ سے مذاق کیا تھا —— میں بھلا تجھے تکلیف پہنچا کر خوش ہوا ہوں —— نہ رو —— نہ رو ساوتری نہ رو —— لے مجھے مار لے —— لے یہ پتھر لے اور میرے سر پر دے مار —— میں سچ کہتا ہوں میں نے تو تجھے یوں ہی چھیڑا تھا —— میں —— میں تو تجھ سے پریم کرتا ہوں۔
ساوتری (رونا بند کر کے) —— کیا کہا —— تجھ جیسے پاپی کو پریم کرنے کا کیا ادھیکار ہے ——
رندھیر۔ نہیں ساوتری —— میں تجھ سے پریم نہیں کرتا —— (ہنستا ہے) میں تجھ سے کیسے پریم کر سکتا ہوں —— میں بڑا ظالم بڑا پاپی ہوں تو ٹھیک کہتی ہے —— میں —— میں —— کچھ نہیں —— میں بیوقوف ہوں —— مجھے معاف کر دے ——

(ساوتری کی ہلکی ہلکی سسکیوں کی آواز فیڈ آؤٹ)

(شرابیوں کا شور و غوغا)

ایک شرابی۔ سادھو کہہ رہا تھا۔ استاد اسک اڑا رہا ہے، اسک ....
(ایک شرابی کے گانے کی آواز آتی ہے — اسک کی جھوریاں لچّایاں ...)

مادھو۔ استاد کا اسک بھی گراندڈیل اسک ہوگا....

رندھیر (افسردگی آمیز سنجیدگی کے ساتھ) استاد کیا عشق کرے گا ـــــ مادھو پاپی کو پریم کرنے کا کوئی ادھیکار نہیں ـــــ میں بڑا پاپی، بڑا ظالم ہوں۔ میں پریم نہیں کرسکتا... تو نے ایک بار کہا تھا اور سچ ہی تو کہا تھا کہ استاد تیرے پہلو میں دل نہیں، پتھر ہے۔

مادھو۔ میں نے تو ایسے ہی کہا تھا۔ ورنہ سچی بات تو یہ ہے کہ استاد تمہارے پہلو میں بڑا ہی نرم دل ہے۔

رندھیر۔ نہیں تو جھوٹ کہتا ہے ـــــ میرے پہلو میں دل نہیں پتھر ہے ـــــ ایک بار پھر کہہ ـــــ استاد تیرے پہلو میں دل نہیں پتھر ہے ـــــ (ہنستا ہے) پتھر... پتھر... پتھر ہی تو ہے لیکن... کوئی پریم کرتا ہے تو اس میں میرے باوا کا کیا جاتا ہے ـــــ میں اس کو نہیں ماروں گا ـــــ زمیندار جانے اور اس کا کام جانے۔

مادھو۔ کہاں چلے استاد ـــــ میں ابھی ادھیا منگوائی ہے ـــــ بیٹھ جاؤ

رندھیر۔ میں زمیندار سے ملنے جارہا ہوں ـــــ ایک ضروری کام ہے ابھی آتا ہوں۔

(قدموں کی چاپ جو آہستہ آہستہ فیڈ ہوجائے)

زمیندار۔ منیم تم نے بات تو ٹھیک کہی ہے۔

(حقہ پیتا ہے)

منیم۔ سرکار میں نے اپنے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیئے۔ سوچنے کی بات ہے کہ رندھیر اگر پکڑا جائے اور تھانے میں یہ کہہ دے کہ مجھے زمیندار نے

شامو کو قتل کرنے کے لیے کہا تھا تو بیٹھے بٹھائے ایک اور مصیبت کھڑی ہو جائے۔

زمیندار۔ تو اس کا علاج بڑا سہل ہے۔

منیم۔ وہ کیا ؟

زمیندار۔ شامو کو رندھیر مارے اور رندھیر کو کوئی اور صاف کر دے ـــ یا پھر یہ ہو سکتا ہے کہ اس کو زیادہ شراب پلا دی جائے اور جب وہ بیہوش ہو جائے تو اسے اٹھوا کر ریل کی پٹڑی پر رکھ دیا جائے ـــ (ڈر کر) منیم یہ آواز تم نے سنی۔

منیم۔ نہیں تو۔

زمیندار۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باہر دروازے کے پیچھے کوئی کھڑا تھا...

منیم۔ اجی نہیں ـــ آپ کو ایسے ہی وہم ہوا ہے۔

زمیندار (حقے کے چھوٹے چھوٹے کش لیتا ہے)... لیکن بھئی ڈر لگتا ہے۔

(حقے کی گڑگڑاہٹ۔ فیڈ آؤٹ)

ایک دم ہجوم کا شور بلند ہوا۔ جس پر ذیل کے ٹکڑے سپر امپوز کئے جائیں۔

الف۔ رامو بھیا سنا تم نے۔ جمعدار جی کا کھون ہو گیا۔

ب۔ کھون ؟ ـــ جمعدار جی کا کھون ؟

ج۔ جمعدار جی کا کھون ہو گیا ـــ شامو کو پکڑ کر تھانے لے گئے ہیں۔

د۔ جس بات کا مجھے کھٹکا تھا آخر وہی ہوئی ـــ میں نہ کہتا تھا کہ شامو کا غصہ ایک دن ضرور رنگ لائے گا ـــ

ل۔ چلو۔ چلو۔ اٹھو تھانے میں چلتے ہیں۔ شامو کو پکڑ کر وہیں لے گئے ہیں۔

م۔ لاش باہر کھیتوں میں پڑی تھی اور شامو اس کے سرہانے کھڑا تھا کہ ادھر سے تھانیدار صاحب جو دورے سے واپس آ رہے تھے، اُدھر آ نکلے۔

ن۔ ضرور پھانسی ہو جائے گی۔

د۔ پر شامو کہتا ہے میں نردوش ہوں۔

ساوتری (روتے ہوئے) شامو! شامو! تو منہ سے بولتا کیوں نہیں —
کہتا کیوں نہیں کہ میں نردوش ہوں ۔ تو نے میرے باپو کو نہیں مارا
تو میرے باپو کو کیسے مار سکتا ہے (بلند آواز میں) شامو نردوش ہے

تھانیدار جی شامو نردوش ہے ۔

شامو کی ماں۔ شامو بیٹا! (پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیتی ہے) میں تجھے
روکتی رہی ، بیٹا پر تو نے میری ایک نہ سنی ۔

شامو۔ میں بالکل نردوش ہوں ماں ۔

ایک آدمی۔ پھر جمعدار جی کا خون کس نے کیا ہے؟

ہجوم کا شور بند ہو جائے۔ رندھیر کا بلند قہقہہ سنائی دے

رندھیر (نشے کی حالت میں) چلو دنیا سے ایک پاپی کم ہوا ۔ (ہنستا ہے)
— اس کی بیٹی خراب تھی ۔ لیکن کس کو مل گیا ۔ ۔ ۔ ریل کے نیچے اگر
اس کی لاش کچلی جاتی تو مزہ آ جاتا ۔ (ہنستا ہے) پاپی لاک بنا پھرتا تھا

(آواز دیتا ہے) لالہ کشوری مل ۔ اے لالہ ۔

کشوری مل (دور سے آواز آتی ہے) آیا پہلوان ۔ ۔ ۔ بولو کیا حکم ہے؟

رندھیر۔ آج تمہاری شراب کو کیا ہو گیا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے بیچ میں پانی ملا دیتے ہو

کشوری مل - نہیں اُستاد۔ تمہیں تو خاص طور پر خالص چیز دیتا ہوں ۔

رندھیر - ہٹاؤ —— ایک بوتل اور بھیج دے —— سُنو تو، آج ٹھیکہ
خالی خالی کیوں نظر آتا ہے ۔

کشوری مل - زمیندار جی کا قتل ہو گیا ہے۔ سارا گاؤں تو تھانے میں بیٹھا ہے
شامو پکڑا گیا ہے نا۔

رندھیر (زور زور سے ہنستا ہے) کوئی مرے کوئی جیے میری بلا سے ——
لاؤ، بوتل لاؤ —— یہ تو ختم ہو گئی ہے ——

(غٹاغٹ پینے کی آواز —— پھر ہونٹ چاٹنے کی آواز)

رندھیر (اپنے آپ سے) پان سو روپیہ دیا تھا دوسرے کو مارنے کے لیے (ہنستا
ہے)... واہ رندھیر پہلوان، تمہارے کیا کہنے ہیں ——

(ساوتری کا داخلہ)

ساوتری - رندھیر —— (گھبراہٹ میں) رندھیر —— رندھیر کہاں ہے ؟

(یہ آواز دُور سے آئے)

رندھیر (چونک کر) کون ؟

ساوتری - رندھیر —— رندھیر پہلوان ——

رندھیر - کون ؟ ساوتری —— ساوتری تو یہاں کیا کرنے آئی ہے ——
جا —— جا چلی جا یہاں سے —— یہ جگہ یہ جگہ —— جا یہ جگہ بہت
بُری ہے یہاں بُرے آدمی آتے ہیں ساوتری —— جا چلی جا یہاں سے ۔

ساوتری - رندھیر... (رونا شروع کر دیتی ہے)

رندھیر - کیا ہُوا —— کیا ہُوا ساوتری —— تو روتی کیوں ہے ؟ ——

ساوتری۔ وہ شامو کو پکڑ کر تھانے لے گئے ہیں ۔ کہتے ہیں اُس نے باپو کو مارا ہے ——

رندھیر۔ تو اس نے مارا ہوگا۔

ساوتری۔ یہ جھوٹ ہے —— بالکل جھوٹ ہے —— اس نے میرے باپو کو نہیں مارا۔ وہ بالکل نردوش ہے —— وہ مجھے ملنے کے لیے کھیتوں میں جا رہا تھا کہ راستے میں اُسے لاش پڑی دکھائی دی —— بس اس کا اتنا ہی دوش ہے (روتی ہے)۔۔۔۔ رندھیر میں مر جاؤں گی۔

رندھیر۔ ہائیں یہ تو کیسی بات منہ سے نکالتی ہے۔

ساوتری (جذبات کی رو میں) نہیں میں زہر کھا کے مر جاؤں گی —— اگر شامو کو کچھ ہو گیا تو —— تو (زیادہ شدت سے رونا شروع کر دیتی ہے) ——

رندھیر۔ نہ رو ساوتری —— نہ رو —— تو زندہ رہے گی —— تجھے زندہ رہنا ہوگا۔ تو گھر چل۔ میں جا کے دیکھتا ہوں تھانے میں کہ بات کیا ہے —— چل تو گھر چل —— سچ مچ تو تو پگلی ہے —— بیکار اپنی جان ہلکان کر رہی ہے —— چل ——

(قدموں کی چاپ —— فیڈ آؤٹ)

(ہجوم کا شور —— ذیل کا مکالمہ اس پر سپر امپوز کیا جائے شور کی آواز اونچی ہو جائے —— رندھیر کی آمد کے باعث)

ایک لڑکی۔ شامو کی ماں ۔ رندھیر

شامو کی ماں ۔ رندھیر۔

ایک آدمی ۔ واہ پی رکھی ہے —— جھوم رہا ہے ۔

دوسرا آدمی۔ سیدھا تھانیدار کی طرف جا رہا ہے۔

تھانیدار (رعب دار آواز میں) رندھیر ــــ رندھیر باہر کھڑے رہو ــــ سنتے ہو کہ نہیں ــــ باہر کھڑے رہو۔ عبدالرحمٰن تم اس کو روکتے کیوں نہیں؟

رندھیر۔ خبردار جو مجھے کسی نے ہاتھ لگایا ــــ

تھانیدار۔ آنے دو اسے ــــ بولو کیا کہنا ہے؟ ــــ

رندھیر۔ کچھ نہیں۔ میں یہ دیکھنے آیا تھا کہ زمیندار جی کو کس نے قتل کیا ہے ــــ

تھانیدار۔ یہ میرا حاکم بنا کر تمہیں کس نے بھیجا ہے ــــ خیر۔ قاتل کو دیکھنا ہے ــــ دیکھ لو ــــ وہ تمہارے سامنے کھڑا ہے ــــ

(رندھیر زور سے قہقہہ بلند کرتا ہے)

تھانیدار۔ اب جاؤ۔ زیادہ گڑبڑ نہ کرو۔ ورنہ حوالات میں بند کر دوں گا۔

رندھیر (قہقہے کے ساتھ)... شامو ــــ اس نے زمیندار کو مارا ہے ــــ (ہنستا ہے) تھانیدار صاحب (ہنستا چلا جاتا ہے) تھانیدار صاحب آپ نے غلط آدمی کو پکڑ لیا ہے۔

تھانیدار۔ رندھیر۔ زیادہ بکواس نہ کرو ــــ جاؤ بھاگ جاؤ یہاں سے ــــ

رندھیر (ہنستا ہے)... میں کہتا ہوں تھانیدار صاحب جس آدمی نے آج تک چڑیا تک نہیں ماری وہ ایک آدمی کو جان سے کیسے مار سکتا ہے؟ ــــ

شامو۔ اڑا لے میری ہنسی ــــ اڑا لے میری ہنسی ــــ

رندھیر (ہنستا ہے) ارے بھئی میں نے جھوٹ تھوڑی کہا ہے ــــ (ہنستا ہے)

.... تھانیدار صاحب، میں سچ کہتا ہوں شامو قرد دشمن ہے ــــ ایسا ڈرپوک اور بزدل کبھی قاتل نہیں ہو سکتا۔ قتل وہ کر سکتا ہے جس کے

یاترا، ڈر میں شک ہی ہو ... یہ مردار بھلا کسی کو کیا مارے گا ـــــ
(شور کی آواز بلند ہو کر دھیمی ہو جاتی ہے)
ایک آدمی (دور سے آواز آتی ہے) تھانیدار صاحب اس سے پوچھئے اگر شامو نے جمعدار جی کو نہیں مارا تو پھر کس نے مارا؟
رندھیر۔ تو مجھ سے پوچھ، تھانیدار سے کیوں پوچھنے کو کہتا ہے ـــ تھانیدار کیا میرا خدا ہے۔ رے سن رے ـــ زمیندار کو میں نے مارا ہے ـــ ان ہاتھوں سے میں نے اس کا کام تمام کیا ہے ـــ ان ہاتھوں سے۔ دیکھ لیجئے ـــ اب شامو کے ہاتھ بھی دیکھ لے۔ بتائیے کون کر سکتے ہیں (تھانیدار سے)... تھانیدار صاحب ہتھکڑی کھول کر مجھے پہنا دو۔
(شور زیادہ ہو جاتا ہے)
شامو کی ماں۔ میرا بچہ ـــ ساوتری ـــــ ساوتری شامو نردوش ہے
ساوتری۔ رندھیر ـــ رندھیر ـــ
رندھیر (ہنستا ہے)... ساوتری میں نے تجھ سے کہا نہیں تھا کہ گھر چل کے بیٹھ، تو یہاں کیا کرنے آئی ہے ـــ جا چلی جا یہاں سے ....
ساوتری (آواز بھر آجاتی ہے) رندھیر ـــ رندھیر تم بہت اچھے آدمی ہو۔
رندھیر (غمزدہ ہنسی کے ساتھ) نہیں ساوتری ـــ میں بڑا ظالم ہوں بڑا پاپی ہوں ـــ مجھے پریم کرنے کا کوئی ادھیکار نہیں ـــ میرے پہلو میں دل نہیں، پتھر ہے ....
(ساوتری کی سسکیوں کی آواز۔ فیڈ آؤٹ)

ماچس کی ڈبیا

ویدی (گہرا سانس لے کر) تو اب مجھے اس کمرے میں رہنا ہو گا... کیا کہتے ہیں بمبئی کی زبان میں ایسے کمروں کو۔

پال ۔ کھولی ۔

ویدی ۔ کتنا واہیات نام ہے... غربت کی توہین ایسے ہی بدنما ناموں سے تو ہوتی ہے... کھولی... یعنی جس نے چاہا کھول لی.... مجھے غریبی سے اتنی وحشت نہیں ہوتی جتنی غربت ظاہر کرنے والی چیزوں سے ہوتی ہے.....

پال ۔ جناب یہ فلسفہ بگھارنے کا وقت نہیں، پہلے آپ اپنا سامان ٹھکانے سے رکھ لیجئے... رات آ رہی ہے.. اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے پاس تاریکی دُور کرنے کے لیے کوئی بھی چیز نہیں ۔

ویدی ۔ چھوڑ دیا اس سامان کو... مجھے کون سا محل سجانا ہے... جو چیز یہاں رکھ دی گئی ہے، ٹھیک ہے.... تم تاریکی اور روشنی کی باتیں کرتے ہو میں ان دونوں میں امتیاز کرنا ہی بھول گیا ہوں ... مجھے تو دن کو اُجالا تاریک نظر آتا ہے اور رات کو اندھیارا روشن، دن کو شہر کے ہنگامے میں کچھ سجائی نہیں دیتا لیکن رات کو میں اپنے دل کی ہر بات پڑھ لیتا ہوں ۔

پال ۔ تصدق کیا ہے، آج تم بہت شاعری کر رہے ہو ۔

ویدی ۔ شاعری (ہنستا ہے) اگر جو کچھ میں نے کہا ہے، شاعری ہے تو میرا خیال ہے کہ شاعر بڑے تیرہ بخت انسان ہوتے ہوں گے... پال! تم نے کبھی محبت کی ہے؟

پال۔ یہ محبت کا سوال تم بیچ میں کیا لے آئے ؟

ویدی۔ پال تم سے بڑی سنجیدگی کے ساتھ پوچھ رہا ہوں ....

پال۔ اماں ہٹاؤ اس سنجیدگی کو... میں کیا جانوں محبت کیا بلا ہے ؟

ویدی۔ تو میری طرح تمہارا دل بھی محبت کا پیاسا ہے ؟... پال... میں نے لوگوں سے سنا ہے اور کتابوں میں پڑھا ہے کہ ایک شئے ہے جسے محبت کے نام سے پکارتے ہیں دل کی لطیف ترین غذا ہے۔ کیا یہ سچ ہے ؟

پال۔ میرے دل کا ہاضمہ درست ہے مجھے کبھی اس لطیف ترین غذا کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی.... تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے، نہ جانے تمہارے دل میں یہ محبت کا خیال کب اور کس وقت اندر چلا گیا.... مجھے تو کام دھندوں سے اتنی فرصت نہیں ملتی کہ اس بارے میں کچھ سوچوں تم خود ہی غور کرو، مل کے اندر مشینوں کی دیکھ بھال کروں۔ ان کے پرزوں میں تیل دوں یا تمہاری اس محبت کو دماغ میں لے کر بیٹھ جاؤں —— ؟

ویدی۔ پال تمہیں فوراً کسی ڈاکٹر سے اپنا علاج کرانا چاہیئے.. مشینوں کے اندر رہ کر تم خود لوہا بن گئے ہو... تم باتیں تو یوں کرتے ہو گویا تمہارے پہلو میں دل کی بجائے برف کا ڈھیلا ہے جس پر کوئی نقش بیٹھ ہی نہیں سکتا.. عورت کو دیکھ کر جس مرد کا دل اپنے لیے ایک رفیق ڈھونڈنے کا خیال پیدا نہ کرے اسے سینے سے باہر پھینک دینا چاہیئے۔

پال۔ اب میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ میرا دل سینے سے باہر نکالنا چاہتے ہیں یا اس کے اندر کسی رفیق کو ڈھونڈنے کا خیال پیدا کرنا چاہتے ہیں ؟

ویدی۔ پال، تم نہیں سمجھے میں کیا چاہتا ہوں ؟ میں یہ چاہتا ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں..

پال ۔ ہاں، ہاں، بولو... تم کیا چاہتے ہو... پانی کا گلاس دوں پینے کے لیئے؟

ڈیبڑی ۔ میں یہ چاہتا ہوں تم محبت کرو۔ میں محبت کروں۔ سب محبت کریں... دنیا میں سب محبت کرنے والے بسیں... ہر ایک دل میں محبت ہو... آہ، پال تم نہیں سمجھے کہ اس چھوٹے سے لفظ میں کتنی مٹھاس ہے کتنی راحت ہے... محبت... محبت... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری آتما شبنم سے لدی ہوئی گھاس پر صبح کی ہوا سے کھیل رہی ہے... تم ضرور محبت کرنے کی کوشش کرو پال... بغیر محبت کے کوئی آدمی مکمل ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

پال ۔ جناب من، خاکسار بہت کوشش کر چکا ہے مگر خاطر خواہ نتیجہ ابھی تک نہیں نکلا... ہر روز رات کو آپ کا یہ خادم ایک خیالی عورت بنا کر اس سے محبت کرتا ہے اور صبح ہوتے ہی اپنے دل سے باہر یہ بورڈ لٹکا دیتا ہے کمرہ کرائے کے لیے خالی ہے، کمرہ ہوادار ہے مگر اس طرف کوئی رخ ہی نہیں کرتا... کمرہ ضرور ہوادار ہے مگر ہوا کے سوا اس میں اور دھرا ہی کیا ہے۔ آج کل کی عورتیں صرف ہوا پر تو زندہ نہیں رہ سکتیں۔ کمرہ سجا ہوا ہو تو بہت سے کرایہ دار مل سکتے ہیں۔

ڈیبڑی ۔ محبت محلوں سے زیادہ جھونپڑیوں میں رہتی ہے پال... اسے ظاہری سجاوٹوں سے کیا کام؟ اور پھر محبت تو خود ایک سجاوٹ ہے، دل کے لیے اس سے خوبصورت زیور اور کیا ہو سکتا ہے۔

پال ۔ یہ شاعری اب کسی اور وقت پر اٹھا رکھو مجھے تابڑ توڑ ڈیوٹی پر جانا ہے... اگر میرے دل نے یہ زیور اس وقت پہن لیا تو ہوٹل کی مشینیں آج رات بند رہیں گی... اچھا تو میں چلا۔

ڈیبڑی ۔ جاؤ، ہاں جاؤ... آج کی رات جیسے کٹے گی وہ ظاہر ہے

——— وقفہ ———

دوسرا منظر

(مشین چلانے کی آواز سنائی دیتی ہے)

لاجو۔ آج یہ ہوا بھی کتنے زوروں پہ چل رہی ہے... اُف توبہ... لیمپ کی بتی کس طرح پھڑپھڑا رہی ہے۔

لاجو کی ماں۔ تماشا کیا دیکھتی ہے، ذرا اٹھ کے چمنی کے اس طرف لکڑی کا ٹکڑا اٹھا کے رکھ دے... اگر یہ بجھ گیا تو تجھے ہی نیچے دیا سلائی لینے کے لیے جانا ہوگا... میری بلا سے نہیں سنتی تو نہ سہی۔

لاجو۔ ماتا جی... مجھے اس کی پھڑپھڑاہٹ اچھی معلوم ہوتی ہے... ایسا لگتا ہے جیسے میرا اپنا دل اس چمنی کے اندر دھڑک رہا ہے۔

لاجو کی ماں۔ جانے کیا واہی تباہی بک رہی ہے... یہ لو... ہوا تا وہی جس کا مجھے کھٹکا تھا۔

لاجو۔ ہائے رام، یہ تو سچ مچ بجھ گیا... کتنا اندھیرا ہو گیا ہے۔

لاجو کی ماں۔ اب یہاں بیٹھ کے باتیں نہ بنا... جا بازار سے ایک پیسے کی ماچس لے آ۔

لاجو۔ ماں، مجھ سے تو یہ نہ ہو سکے گا۔ پانچ سیڑھیاں نیچے اتروں اور پھر پانچ سیڑھیاں اوپر چڑھوں، میرے گھٹنے تو ابھی سے جواب دے رہے ہیں۔

لاجو کی ماں۔ تجھے تو کسی نواب کے گھر پیدا ہونا چاہیئے تھا یہاں بیٹھے بٹھائے تجھے ہر چیز مل جاتی... میری لاڈو کے پاؤں کی مہندی گھستی ہے سیڑھیاں

اترتنے ... افوہ ... بابا کیسا زمانہ آیا ہے ... اس جوانی میں تیرے گھٹنے جواب دے رہے ہیں تو میری عمر کو پہنچ کر تیرا کیا حال ہوگا ؟ جا ساتھ والی کھولی میں پرڈوسن سے دیاسلائی مانگ لا... تجھ سے اٹھا جائے گا میں ہی جاؤں ؟

لاجو۔ جاتی ہوں ماں یہ نگوڑے کپڑے بھی تو سینے ہیں مجھے .... اگر صبح تک تیار نہ ہوئے تو چولھے میں آگ کیسے جلے گی ... جاتی ہوں ... اس بھٹیرے پانی ایسی زندگی سے جانے کب نجات ملے گی ....

(تھوڑا وقفہ)

(دروازے پر دستک دینے کی آواز سنائی دیتی ہے)

لاجو۔ دینو کی ماں ، دینو کی ماں ۔

(پھر دستک کی آواز سنائی دیتی ہے)

لاجو۔ دینو کی ماں ...... دینو کی ماں .... ارے ، سو گئی ہو کیا ؟ .. نہیں دروازہ تو کھلا ہے (دروازہ کھلنے کی آواز) ... دینو کی ماں ... ارے ، تم نے یہ کمرے میں یہ دھونی کیسی رما رکھی ہے ... اُف ، میرا تو دم گھٹنے لگا ہے ... دینو کی ماں ... ؟ میں پوچھتی ہوں تم نے یہ بیڑیاں کب سے پینی شروع کی ہیں ؟

ویدی ۔ کون ہے ؟

لاجو ۔ ارے ، یہ کون بول رہا ہے ؟

ویدی ۔ ارے ، یہ کون بول رہا ہے ؟

لاجو ۔ دینو کی ماں کہاں ہے ؟

ویدی ۔ دینو کی ماں ... یہاں دینو کی ماں نہیں رہتی اور میری ماں کو مرے اُتنے

ہی ایسس ہوتے ہیں جیتے کہ مجھے زندہ رہتے ہو گئے ہیں ... کمرے میں
دھواں میں نے اس لیے بند کر رکھا ہے کہ اس سے کمرے کی غلاظت
دب جاتی ہے۔

لاجو۔ تم تو کوئی اور ہو ... میں ... میں غلطی سے یہاں چلی آئی ... مجھے دینو
کی ماں سے ملنا ہے۔

دیدی۔ دینو کی ماں سے؟ ... جب میں نے اپنی ماں کی شکل نہیں دیکھی تو دینو کی ماں
کو میں کیسے جان سکتا ہوں؟ ... یہ کمرہ ... نہیں ... یہ کھولی میں نے
آج ہی کرائے پر لی ہے۔

لاجو۔ تو دینو کی ماں، ہمیں اطلاع دیئے بغیر یہاں سے چلی گئی؟ میں اس سے
دیا سلائی کی ڈبیا مانگنے آئی تھی۔ ہمارا لیمپ بجھ گیا ہے۔

دیدی۔ تمہارا لیمپ بجھ گیا ہے ... پر یہاں تو ایک لیمپ روشن ہو گیا ہے۔

لاجو۔ کیا کہا آپ نے؟

دیدی۔ سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں ... تمہیں ماچس چاہیئے نا۔

لاجو۔ جی ہاں!

دیدی۔ ماچس ... اور ماچس لے کر تم فوراً ہی یہاں سے چلی جاؤ گی۔

لاجو۔ ہاں، ہاں ... مجھے لیمپ بھی تو روشن کرنا ہے ... میری ماں
اندھیرے میں بیٹھی ہے۔

دیدی۔ بالکل درست ہے میں سوچ کیا رہا ہوں ... تمہیں فوراً ہی جیب سے ماچس
نکال کے کیوں نہیں دے رہا ... کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ کیا قصہ ہے؟
... کیا تم اس معاملے میں کچھ روشنی ڈال سکتی ہو؟

لاجو۔ ماچس لائیے نا

ویدیہی۔ تم بڑی . . . وہ ہو . . .

(لاجو ہنستی ہے)

(ویدی ہنستا ہے)

لاجو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے لائیے ماچس۔

ویدی۔ ہاں۔ ہاں۔ واقعی تمہیں دیر ہو رہی ہے . . . یہ لو ماچس . . .

(ماچس کی ڈبیا میں تیلیوں کی کھڑکھڑاہٹ)

لاجو۔ لائیے . . . ارے . . . آپ کا لیمپ بھی بجھ گیا . . . (دیا سلائی کی ڈبیا گرنے کی آواز) اور ماچس بھی گر گئی . . .

ویدی۔ اچھا ہوا۔

لاجو۔ کیا کہا؟

ویدی۔ میں نے کہا۔ کتنا بُرا ہوا . . . اب کیا سچ مچ اسے ڈھونڈنا ہی پڑے گا۔

لاجو۔ واہ، جناب واہ . . . ڈھونڈنا کیوں نہیں پڑے گا . . . دو لیمپ بجھے پڑے ہیں۔ ان کو روشن نہیں کرنا ہے کیا؟

ویدی۔ روشنی زیادہ ہو جائے گی۔

لاجو۔ کیا کہا؟

ویدی۔ میں نے یہ کہا تھا کہ تجھے اب روشنی کی کیا ضرورت ہے؟

لاجو۔ پر مجھے تو ہے۔

ویدی۔ تو ماچس خود ہی ڈھونڈھ لو . . . میرا دل بھی اس میں پڑا ہے۔

لاجو (ہنستی ہے) آپ کا دل ماچس میں پڑا ہے . . . اور میرا دل اپنے بجھے ہوئے لیمپ میں!

ویدی۔ تو پھر ماچس کو فوراً ہی ڈھونڈنا چاہیئے۔ ۔ ۔ ۔ ارے میں سوچ کیا رہا ہوں۔ ۔ ۔ ٹھیرو۔ ۔ ۔ (زمین پر ہاتھ مارنے کی آواز) یہیں گری تھی اور یہیں ہونی چاہیئے۔ ۔ ۔ (ماچس پر ہاتھ پڑنے کی آواز) یہ لو۔ ۔ ۔ لیکن ٹھہرو ۔ ۔ ۔ ۔ میں لیمپ جلا کر تمہیں تو اچھی طرح دیکھ لوں —— شاید کل تمہاری کھولی میں کوئی اور آجائے۔

لاجو۔ نہیں، ہم نے اس مہینے کا کرایہ پیشگی دے دیا تھا۔

ویدی۔ ایک مہینے تک میں اسی کھولی میں رہوں گا کیونکہ میں نے بھی پیشگی ہی دیا ہے (لیمپ کی چمنی اور دیا سلائی جلانے کی آواز)

لاجو۔ ایک تو روشن ہو گیا!

ویدی۔ کیا دوسرا روشن نہیں ہوا۔ ۔ ۔ ؟

لاجو۔ اب جا کے روشن کروں گی۔ ۔ ۔ لائیے ماچس۔ ۔ ۔ آپ کا دل ہے نا ابھی تک اس میں؟

ویدی (ہنستا ہے) ۔ ۔ ۔ ہاں ہاں اسی میں ہے۔ ۔ ۔ (ماچس کی آواز) یہ لو۔ ۔ ۔

لاجو۔ مہربانی۔ ۔ ۔ تو میں چلتی ہوں۔

ویدی۔ ہاں ہاں جاؤ۔ ۔ ۔ لیکن ذرا ٹھیرو۔ ۔ ۔ نہیں نہیں جاؤ۔ ۔ تمہیں اپنا لیمپ بھی روشن کرنا ہے۔ ۔ ۔ تمہاری ماں اندھیرے میں بیٹھی تمہاری راہ دیکھ رہی ہوگی۔ ۔ ۔ جاؤ۔ ۔ ۔ لیکن ٹھیرو تو۔ ۔ ۔ ہاں ٹھیرو تو۔ ۔ ۔

لاجو۔ کچھ کہنا ہے کیا؟

ویدی۔ کچھ کہنا ہی تو ہے۔ ۔ ۔ کچھ کہنا ہی تو ہے۔ ۔ ۔ پر کیا کہنا ہے۔ ۔ ۔ ہاں، تو اب تم جا رہی ہو کیا؟

لاجو۔ جی ہاں جا رہی ہوں۔

ویدی۔ تم بڑی اچھی لڑکی ہو... اچھا تو میں بھی ہوں پر بے کاری بُری بلا ہے؟....
لیکن اب میں کوئی نہ کوئی کام ضرور ڈھونڈھ لوں گا... مجھ میں آج بڑی ہمت پیدا ہو گئی ہے... دنیا میں اگر عورت نہ ہوتی تو مردوں میں شجاعت کبھی پیدا نہ ہوتی... اگر تم مجھ سے کہو تو میں اس کھڑکی میں سے ابھی نیچے بازار میں کُود جاؤں... پر میں یہ کیا گفتگو کر رہا ہوں۔

لاجو۔ میں اب جاتی ہوں۔

ویدی۔ ہاں اب جاؤ... پر اپنا نام تو بتاتی جاؤ۔

لاجو۔ میرا نام لاجونتی ہے... ماں مجھے لاجو کہتی ہے۔

ویدی۔ لاجونتی... لاجو... بڑا پیارا نام ہے... تم یہاں کیا کرتی ہو؟

لاجو۔ سلائی کا کام کرتی ہوں... اگر آپ کپڑا دیں تو میں آپ کی قمیص سی دوں گی۔

ویدی۔ شکریہ... میرا کوٹ کہنیوں پر سے پھٹ رہا ہے... اگر کبھی اس کو رفو کر دو تو بڑی مہربانی ہوگی۔

لاجو۔ میں کل آکے یہیں رفو کر دوں گی... اچھا میں اب جاتی ہوں (تھوڑا وقفہ) (پھر دروازہ بند کرنے کی آواز)

ویدی (فرطِ مسرت کے باعث بلند آواز میں) ویدی!... ویدی..... دوست تمہارا نصیبہ جاگ اُٹھا۔ (سیٹی بجاتا ہے)

(وقفہ)

تیسرا منظر

(دروازہ کھٹ کھٹانے کی آواز)

ویدی ۔ آجاؤ ۔

پال (دروازہ کھولنے کی آواز) سناؤ بھئی کیا حال ہے، نیا کمرہ کیسا رہا؟ ...
ارے تم اپنے کوٹ کو ... بیڑی سے جلا کیوں رہے ہو؟

ویدی ۔ اس لیے کہ اس میں بہت سے سوراخ ہو جائیں ۔

پال ۔ سوراخ ہو جائیں ... سوراخ تو ہو ہی جائیں گے ۔ پر میں سوچتا ہوں کہ یہ منطق کیا ہے ؟

ویدی ۔ ایک سوراخ رفو کرنے میں اگر پانچ منٹ صرف ہوں گے تو تین سوراخ رفو کرنے میں پندرہ منٹ صرف نہ ہوں گے ۔

پال ۔ ہاں ہاں پندرہ منٹ ہی صرف ہوں گے ۔ پر تمہاری بات سمجھنے میں مجھے کتنے گھنٹے لگیں گے ۔

(ویدی ہنستا ہے)

پال ۔ تم تو آج ہنس بھی رہے ہو ... یہ کیا قصہ ہے ۔

ویدی ۔ قصہ یہ ہے ... دروازے پر دستک ہوئی ... اور یہ ایک نقرئی آواز آئی ، دینو کی ماں ، دینو کی ماں ، یہ تم نے بیڑیاں کب سے پینا شروع کر دی ہیں ... اور وہ اندر چلی آئی ... سن رہے ہو پال ... میرے خوابوں کی پری اندر چلی آئی ... پرماتما کی رحمت ہو اس دینو کی ماں پر

... تم جانتے ہو اس دینو کی ماں کو ... ؟ لیکن میری طرف یوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کیوں دیکھ رہے ہو ؟ ... ہنسو پال ... آج خوب ہنسو ... کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ آج ہر شئے ہنس رہی ہے ... وہ ابھی آ جائے گی ... میرا کوٹ رفو کرنے ... میں نے اس میں تین بڑے بڑے سوراخ بنا دیئے ہیں ... اس لیے میں اسے دیر تک سامنے بٹھا کر دیکھ سکوں گا ... کیا میں شریر نہیں ؟ لیکن تم خاموش کیوں ہو ؟

پال ۔ میں سوچ رہا ہوں کہ مجھے اب کس بلڈنگ میں نیا کمرہ کرائے پر لینا چاہیئے ...

محبت کی پیدائش

(خالد سیٹی بجا رہا ہے سیٹی بجاتا بجاتا خاموش ہو جاتا ہے پھر ہولے ہولے اپنے آپ سے کہتا ہے)

خالد ۔ اگر محبت ہاکی یا فٹ بال کے میچوں میں کپ جیتنے ، تقریر کرنے اور امتحانوں میں پاس ہو جانے کی طرح آسان ہوتی تو کیا ہی کہنے تھے ... مجھے سب کچھ مل جاتا ... سب کچھ (پھر سیٹی بجاتا ہے) نیلے آسمان میں ابابیلیں اڑ رہی ہیں اس چھوٹے سے باغیچے کی پتی پتی خوشی سے تھرا رہی ہے پر میں خوش نہیں ہوں ۔ میں بالکل خوش نہیں ہوں ۔

حمیدہ (دھیمے لہجے میں) خالد صاحب !

(خالد خاموش رہتا ہے)

حمیدہ (ذرا زور سے) خالد صاحب!
خالد (چونک کر) کیا ہے؟ کوئی مجھے بلا رہا ہے؟
حمیدہ۔ میں ہوں! ـــــ مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے؟
خالد۔ اوہ! حمیدہ... کہو، یہ ضروری کام کیا ہے... میں یہاں یونہی لیٹے لیٹے اونگھنے لگ گیا تھا۔ کیا کسی کتاب کے بارے میں کچھ کہنا ہے؟...
مگر تم نے مجھے اتنا قابل کیوں سمجھ رکھا ہے... فلسفے میں میں اتنا ہوشیار نہیں جتنی کہ تم ہو ـــ عورتیں فطرتاً فلسفی ہوتی ہیں۔
حمیدہ۔ میں آپ سے فلسفے کے بارے میں گفتگو کرنے نہیں آئی۔ افلاطون اور ارسطو اس معاملے میں میری اتنی مدد نہیں کر سکتے جتنی آپ کر سکتے ہیں
خالد۔ میں حاضر ہوں۔
حمیدہ۔ میں بہت جرأت سے کام لے کر آپ کے پاس آئی ہوں۔ آپ یقین کیجئے کہ میں نے بہت بڑی جرأت کی ہے... بات یہ ہے... مجھے شرم محسوس ہو رہی ہے... مگر نہیں... اس میں شرم کی کونسی بات ہے....
مجھے یہ کہنا ہے کہ پرسوں رات میں نے اباجی کو امی جان سے یہ کہتے سنا کر وہ آپ سے میری شادی کر رہے ہیں۔
خالد (خوش ہو کر) سچ مچ؟
حمیدہ۔ جی ہاں... میں نے یہ بھی سنا ہے کہ بات پکی ہو گئی ہے... اور اس فائنل کے بعد ہم بیاہ دیئے جائیں گے۔
خالد (خوشی کے جذبات کو دبانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے) حد ہو گئی ہے... مجھے تو کسی نے بتایا ہی نہیں... یہ چپکے چپکے انہوں نے بڑا

دل چسپ کھیل کھیلا... دراصل بات یوں ہوئی ہے کہ میں نے اپنی امی جان سے ایک دو مرتبہ.. تمہاری تعریف کی تھی اور کہا تھا کہ جو شخص حمیدہ جیسی .... حمیدہ جیسی .... حمیدہ جیسی .... حمیدہ جیسی پیاری لڑکی کا شوہر بنے گا وہ کس قدر خوش نصیب ہوگا (ہنستا ہے) حد ہو گئی ہے... میں یہاں اسی فکر میں گھلا جا رہا تھا کہ تم کہیں کسی اور کی نہ ہو۔ جاؤ (خوب ہنستا ہے)... دیکھو نیلے آسمان میں ابابیلیں اڑ رہی ہیں ـــــ اس بلی نیچے کی پتی پتی خوشی سے تھرا رہی ہے... اور میں بھی خوش ہوں .... کس قدر خوش! (ہنستا ہے) حمیدہ اب تمہیں ہم سے پردہ کرنا چاہیئے.. ہم تمہارے ہونے والے شوہر ہیں۔

حمیدہ۔ مگر مجھے یہ شادی منظور نہیں!

خالد۔ شادی منظور نہیں.... پھر تم نے یہ بات کیوں چھیڑی؟.. میں تمہیں ناپسند ہوں کیا؟

حمیدہ۔ خالد صاحب! میں اس معاملے پر زیادہ گفتگو کرنا نہیں چاہتی۔ میں آپ سے صرف یہ کہنے آئی تھی کہ اگر ہماری شادی ہو گئی۔ تو یہ میری مرضی کے خلاف ہوگی۔ ہماری دونوں کی زندگی اگر ہمیشہ کے لیئے تلخ ہو گئی تو اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔ میں نے اپنے دل کی بات آپ سے چھپا کر نہیں رکھی، جو فرض میرے ماں باپ کو ادا کرنا چاہیئے تھا۔ میں نے ادا کر دیا ہے آپ عقل مند ہیں۔ روشن خیال ہیں۔ اس لیئے میں آپ کے پاس آئی۔ ورنہ یہ راز قبر تک میرے سینے میں محفوظ رہتا۔

خالد۔ یہ جھوٹ ہے میں تم سے محبت کرتا ہوں۔

حمیدہ۔ ہوگا، مگر میں آپ سے محبت نہیں کرتی۔
خالد۔ اس میں میرا کیا قصور ہے؟
حمیدہ۔ اور اس میں میرا کیا قصور ہے؟
خالد۔ حمیدہ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں جھوٹ نہیں بولا کرتا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میرا دل تمہاری اور صرف تمہاری محبت سے بھرا ہے۔
حمیدہ۔ لیکن میرا دل بھی تو آپ کی محبت سے بھرا ہو... میرے اندر سے بھی تو یہ آواز پیدا ہو کہ حمیدہ آپ کو چاہتی ہے... میں بھی تو آپ سے جھوٹ نہیں کہہ رہی... آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں تو آپ کی محبت اس وقت مجھ پر کیا اثر کر سکتی ہے جب میرا دل آپ کی محبت سے خالی ہو۔
خالد۔ ایک دیا دوسرے دیئے کو روشن کر سکتا ہے۔
حمیدہ۔ صرف اس صورت میں جب دوسرے دیئے میں تیل موجود ہو.... یہاں میرا دل تو بالکل خشک ہے۔ آپ کی محبت کیا کر سکے گی۔ میں نے آج تک آپ کو اُن نگاہوں سے کبھی نہیں دیکھا جو محبت پیدا کر سکتی ہیں... اس کے علاوہ کوئی خاص بات بھی تو نہیں ہوئی جس سے یہ جذبہ پیدا ہو سکے.... لیکن میں آپ کے بارے میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ آپ اچھے نوجوان ہیں با اخلاق ہیں۔ کالج میں سب سے زیادہ ہوشیار طالب علم ہیں۔ آپ کی صحت آپ کی علمیت، آپ کی قابلیت قابل رشک ہے۔ آپ ہمیشہ میری مدد کرتے رہے ہیں۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ میرے دل میں آپ کی محبت ذرہ بھر بھی نہیں ہے.. میرا خیال ہو سکتا ہے کہ درست نہ ہو۔ پر یہ تمام خوبیاں جو آپ کے اندر موجود ہیں ضروری نہیں کہ وہ کسی عورت کے دل میں آپ

کی محبت پیدا کر دیں ۔

خالد ۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مجھے اس کا احساس ہے ۔

حمیدہ ۔ تو کیا میں امید رکھوں کہ آپ مجھے اس بے مرضی کی شادی سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے ۔

خالد ۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکے گا۔ ضرور کروں گا ۔

حمیدہ ۔ تو میں جاتی ہوں ۔ بہت بہت شکریہ !

(چند لمحات تک خاموشی طاری رہتی ہے... خالد دردناک سروں میں سیٹی بجاتا ہے....)

خالد (سسکیوں میں) نیلے آسمان میں ابابیلیں اڑ رہی ہیں اس چھوٹے سے بغیچے کی پتی پتی خوشی سے تھرتھرا رہی ہے..... پر میں خوش نہیں۔ بالکل خوش نہیں ہوں ۔

(اسی روز شام کو خالد کے گھر میں)

ڈپٹی صاحب ۔ خالد کا باپ (دروازے پر آہستہ سے دستک دے کر) بھئی میں ذرا اندر آسکتا ہوں ۔

خالد ۔ آئیے، آئیے ، ابّا جی !

ڈپٹی صاحب ۔ میں نے بہت مشکل سے تمہارے ساتھ چند باتیں کرنے کی فرصت نکالی ۔ یوں کہو کہ ایسا اتفاق ہو گیا کہ تم بھی گھر میں موجود ہو اور مجھے بھی ایک آدھ گھنٹے تک کوئی کام نہیں —— بات یہ ہے ، کہ تمہاری ماں نے تمہاری شادی کی بات چیت پکی کر دی ہے لڑکی حمیدہ ہے جس کو تم اچھی طرح جانتے ہو۔ تمہاری کلاس سیٹ ہے اور میں نے

سنا ہے کہ تم دل ہی دل میں اس سے ذرا... محبت بھی کرتے ہو چلو اچھا ہوا ... اب تمہیں اور کیا چاہیئے... امتحان پاس کرو اور دلہن کو لے آؤ۔

خالد۔ پر اباجی، میں نے تو یہ سُن رکھا تھا کہ حمیدہ کی شادی مسٹر بشیر سے ہو گی جو پچھلے برس ولایت سے ڈاکٹری امتحان پاس کرکے آئے ہیں۔

ڈپٹی صاحب۔ شادی اس سے ہونے والی تھی مگر حمیدہ کے والدین کو جب معلوم ہوا کہ وہ شرابی اور آوارہ مزاج ہے تو انہوں نے یہ خیال موقوف کر دیا لیکن تمہیں ان باتوں سے کیا تعلق... حمیدہ تمہاری ہو رہی ہے — ہو رہی ہے کیا، ہو چکی ہے!

خالد۔ حمیدہ راضی ہے کیا؟

ڈپٹی صاحب۔ ارے وہ راضی کیوں نہ ہو گی؟ جب ڈپٹی ظہور احمد کے بیٹے خالد کی شادی کا سوال ہو، تو اس میں رضا مندی کی ضرورت ہی کیا ہے۔

خالد۔ مجھے بنا رہے ہیں آپ؟

ڈپٹی صاحب۔ چلو ہٹاؤ، اب اس قصے کو، مجھے اور بہت سے کام کرنا ہیں۔ ... اچھا تو میں چلا... پر ایک اور بات بھی تو مجھے تم سے کرنا تھی، تمہاری ماں نے ایک لمبی چوڑی فہرست بنا کر دی تھی... ہاں یاد آیا.... دیکھو بھئی نکاح کی رسم پرسوں یعنی اتوار کو ادا ہو گی۔ اس لیے کہ حمیدہ کا باپ حج کو جانے سے پہلے اس فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہتا ہے ... ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، ایسا ہی ہونا چاہیئے اور جب تمہاری ماں کہہ دے تو پھر اس میں کسی کلام کی گنجائش نہیں رہتی... میں نے ان لوگوں سے کہہ دیا ہے کہ ہم سب تیار ہیں۔ تمہیں جن لوگوں کو (INVITE) کرنا ہو گا کر لینا

مجھے اس دردسری میں مبتلا نہ کرنا بھئی، میں بہت مصروف آدمی ہوں۔

خالد۔ بہت اچھا ابا جی!

ڈپٹی صاحب۔ ہاں ایک بات اور۔۔ ممکن ہے کہ میں تم سے کہنا بھول جاؤں اس لیے ابھی سے کان کھول کر سن لو۔۔۔۔ (راز دارانہ لہجے میں) شادی کے بعد اپنی بیوی کو سر پر نہ چڑھا لینا۔ ورنہ یاد رکھو بڑی آفتوں کا سامنا کرنا پڑے گا اپنی ماں کی طرف دیکھ لو، کس طرح مجھے نکیل ڈالے رکھتی ہے۔

خالد (ہنستا ہے)۔۔۔ نصیحت کا شکریہ!

ڈپٹی صاحب: شکریہ وکریہ کچھ نہیں۔ تم سے جو کچھ میں نے کہا ہے اس کا خیال رکھنا اور بس۔۔۔ تو میں چلا۔۔۔ نکاح کے ایک روز پہلے مجھے یاد دلا دینا۔ تاکہ میں کہیں اور نہ چلا جاؤں۔

خالد۔ بہت اچھا ابا جی!

(دروازہ بند کرنے کی آواز)

خالد (ہولے ہولے گویا گہری فکر میں غرق ہے) بہت اچھا ابا جی۔۔۔ بہت اچھا ابا جی۔۔۔ میں نے کتنی جلدی کہہ دیا بہت اچھا ابا جی۔۔۔ بہت اچھا ۔۔۔ جو کچھ کہا ہوا ہے۔۔۔ اب اس کے سوا اور چارہ ہی کیا ہے۔۔۔ نیلے آسمان میں ابابیلیں اڑتی رہیں گی۔ بگیچوں میں تیتیاں خوشی سے تھرتھراتی رہیں گی اور یہ دل ہمیشہ کے لیے اجڑ جائے گا۔۔۔ اجڑ جائے گا!!!

(تیسرے روز کالج میں پرنسپل کا دفتر)
(گھنٹی بجائی جاتی ہے پھر دروازہ کھولا جاتا ہے)

چپڑاسی - جی حضور!
پرنسپل - خالد کو اندر بھیج دو -
چپڑاسی - بہت اچھا حضور!
(دروازہ کھولنے اور بند ہونے کی آواز، پھر خالد کے آنے کی آواز)
پرنسپل (کھانستا ہے) تمہیں اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہے ؟
(خالد خاموش رہتا ہے)
پرنسپل (بارعب لہجے میں) تمہیں اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہے ؟
خالد - کچھ نہیں - میرا دل کوڑے کرکٹ سے صاف ہے -
پرنسپل - تم گستاخ بھی ہو گئے ہو ؟
خالد - کالج میں اگر کوئی گستاخ نہ رہ جائے تو پرنسپل اپنی تو توں سے بے خبر رہتا ہے
اگر اس کمرے کو جس میں آپ رہتے ہیں ترازو فرض کر لیا جائے تو میں اس
ترازو کی وہ سوئی ہوں جو وزن بتاتی ہے -
پرنسپل - تم مجھے اپنی اس بیہودہ منطق سے مرعوب نہیں کر سکتے -
خالد - یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں -
پرنسپل (زور سے) تم خاک بھی نہیں جانتے -
خالد - آپ بجا فرما رہے ہیں -
پرنسپل - میں بجا نہیں فرما رہا - اگر میرا فرمانا بجا ہوتا، تو کل تم ایسی بیہودہ حرکت
کبھی نہ کرتے جس نے تمہیں سب لوگوں کی نگاہ میں ذلیل کر دیا ہے - اب
تم میں اور ایک بازاری گنڈے میں کیا فرق رہا ہے -
خالد - آپ سے عرض کردوں ؟

پرنسپل ۔ کرو، کرو، کیا عرض کرنا چاہتے ہو۔ میں تمہاری یہ نئی منطق بھی سُن لوں!
خالد ۔ بازاری غنڈا چوک میں کھڑا ہو کر جو اس کے دل میں آئے کہہ سکتا ہے مگر میں
کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ مجھ میں اتنی قوت نہیں ہے کہ اپنے دل کا تالا کھول سکوں
جو تہذیب آج سے بہت عرصہ پہلے لگا چکی ہے۔ بازاری غنڈا مجھ
سے ہزار درجے بہتر ہے۔
پرنسپل ۔ جو تھوڑا بہت تم میں اور اس میں باقی رہ گیا ہے اب پورا کر لو...
میں تمہیں اپنے کالج سے باہر نکال رہا ہوں۔
خالد ۔ مگر....
پرنسپل ۔ مگر وگر کچھ بھی نہیں۔ میں فیصلہ کر چکا ہوں میرے کالج میں اوباش کا ہرگز
نہیں رہ سکتا... جو بدچلن ہو، آوارہ ہو، کالج میں شراب پی کر آنا ایسا جرم
نہیں کہ سزا دیئے بغیر تمہیں چھوڑ دیا جائے۔
خالد ۔ اپنے آپ پر دوبارہ غور فرمائیے۔ اتنی جلدی نہ کیجئے... آپ مجھے اپنے
کالج سے ہمیشہ کے لیے باہر نہیں نکال سکتے۔
پرنسپل (غصے میں) کیا کہا؟
خالد ۔ میں نے یہ کہا تھا کہ مجھے اپنے کالج سے کیسے باہر نکال سکتے ہیں...
آپ کو... آپ کو... میرے چلے جانے سے کیا آپ کو نقصان نہ ہو گا؟
پرنسپل ۔ نقصان؟ تمہارے چلے جانے سے مجھے کیا نقصان ہو سکتا ہے۔ تم
جیسے دو درجن لڑکے میرے کالج سے چلے جائیں خس کم جہاں پاک!
خالد ۔ آپ میرا مطلب نہیں سمجھے پرنسپل صاحب! مجھے افسوس ہے کہ اب مجھے
خود ستائی سے کام لینا پڑے گا آپ کے سامنے یہ کالا بورڈ جو لٹک رہا ہے اس پر

سب سے اوپر کس کا نام لکھا ہے۔ آپ بتانے کی تکلیف گوارا نہ کیجئے۔ یہ اسی آوارہ اور بدچلن کا نام لکھا ہے، جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ بی اے میں وہ ڈویژن بھر میں اوّل رہا۔ اس بورڈ کے ساتھ ہی ایک اور بورڈ لٹک رہا ہے جو آپ کو بتا سکتا ہے کہ ہندوستان کی کسی یونیورسٹی کا ہونہار سے ہونہار ہوشیار طالب علم بھی آپ کے کالج کی کالی بھیڑ خالد کا مقابلہ نہیں کر سکا۔ تقریر میں اس نے تین سال تک کسی کو آگے بڑھنے نہیں دیا۔ آپ کے پیچھے ایک اور تختہ لٹک رہا ہے اگر آپ کبھی اس پر نظر ڈالیں تو آپ کو معلوم ہو سکتا ہے کہ خالد جب سے آپ کی ہاکی ٹیم کا کپتان بنا ہے شکست ناممکن ہو گئی ہے۔ فٹ بال کی ٹیم میں مجھ سے بہتر گول کیپر آپ کہاں تلاش کریں گے؟ اخبار لکھتے ہیں کہ میں لوہے کا مضبوط جال ہوں، سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں... اور پچھلے برس میچ میں ہنگامہ برپا ہو گیا تھا تو آپ کو بچانے کے لیے کس نے آگے بڑھ کر ڈھال کا کام دیا تھا اسی خاکسار نے۔ آپ اپنے فیصلے پر دوبارہ غور کیجیے۔

پرنسپل۔ کیا اب احسان جتلا کر تم مجھے رشوت دینے کی کوشش کر رہے ہو۔

خالد۔ پرنسپل صاحب آج کل دنیا کے سارے دھندے اسی طرح چلتے ہیں، بچہ جب روتے نہیں ماں دودھ نہیں دیتی یہ تو آپ اچھی طرح جانتے ہیں مگر آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ پڑوس میں اگر بن ماں کا یتیم بچہ رونا شروع کر دے تو میری ماں دودھ کی بوتل لے کر ادھر کبھی نہیں دوڑے گی... آپ نے آج تک مجھ پر اتنی مہربانیاں کی ہیں تو محض اس لیے کہ مجھ میں خوبیاں تھیں اور آپ مجھے پسند کرتے تھے اور میں نے اس روز آپ کو اس لیے بچایا تھا کہ وہ میرا فرض تھا۔ میں آپ کو رشوت نہیں دے رہا۔ مجھے معلوم ہے کہ

آپ سزا دے کر رہیں گے۔ میں خود سزا چاہتا ہوں۔ مگر کڑی نہیں... رشوت تو وہاں دی جاتی ہے جہاں بالکل اجنبیت ہو۔

پرنسپل۔ تم تقریر کرنا خوب جانتے ہو۔

خالد (ہنس کر) یہ کالا بورڈ بھی جو آپ کے سامنے ٹنگ رہا ہے یہی کہتا ہے۔

پرنسپل۔ خالد... میں حیران ہوں کہ تم نے کالج میں شراب پی کر اُدھم کیوں مچایا... تم شریر ضرور تھے، مگر مجھے معلوم نہ تھا تم شراب بھی پیتے ہو... تمہارے کیریکٹر کے بارے میں مجھے کوئی شکایت نہ تھی۔ مگر کل کے واقعہ نے تمہیں بہت پیچھے ہٹا دیا ہے۔

خالد۔ جب کھائی پھاندنا ہو تو ہمیشہ دس بیس قدم پیچھے ہٹ کر کوشش کی جاتی ہے، ہو سکتا ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں ایک گہری کھائی پھاندنے کی کوشش کی ہو۔

پرنسپل۔ مجھے افسوس ہے کہ تم اس کوشش میں اوندھے اس گہری کھائی میں گر پڑے ہو۔

خالد۔ ایسا ہی ہو گا۔ مگر مجھے افسوس نہیں۔

پرنسپل۔ تو اب تم کیا چاہتے ہو؟

خالد۔ میں کیا چاہتا ہوں؟ — کاش کہ میں کچھ چاہ سکتا۔ آپ سے میری صرف یہ گذارش ہے کہ سزا دیتے وقت پرانے خالد کو یاد رکھیے۔ بس!

پرنسپل۔ تمہیں ایک سال کے لیے کالج سے خارج کر دینے کا حکم میں لکھ چکا ہوں۔ یہ سزا تمہاری ذلیل حرکت کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ اس لیے تم معلوم کر سکتے ہو کہ پرانے خالد کو میں نے ابھی تک دل سے محو نہیں کیا۔

خالد۔ میں آپ کا بے حد ممنون ہوں۔ ایک سال کے بعد جب خالد پھر آپ کے پاس آئے گا۔ تو وہ پرانا ہی ہوگا۔

پرنسپل۔ اب تم چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ اور دیکھو۔ اس غم کو دور کرنے کے لیے کہیں شراب خانے کا رخ نہ کرنا۔

خالد۔ ایک بار جو میں نے پی ہے۔ وہی عمر بھر کے لیے کافی ہے آپ بے فکر رہیں۔

(دروازہ کھلنے اور بند کرنے کی آواز)

(دروازہ بند کرنے کے ساتھ ہی دس پندرہ لڑکوں کی آوازوں کا شور پیدا کیا جائے۔ لڑکے خالد سے طرح طرح کے سوال پوچھیں۔)

۱۔ کیوں خالد کیا ہوا؟

۲۔ سال بھر کے لیے EXPEL کر دیئے گئے۔

۳۔ پرنسپل پوچھتا ہوں شراب پی کر تمہیں کالج ہی میں آ کر اودھم مچانا تھا؟

۴۔ تم نے سخت غلطی کی۔ شراب تو میں بھی پیتا ہوں مگر کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔

۵۔ کیا جانے اس کے سر پر کیا وحشت سوار ہوئی۔

۶۔ پہلی دفعہ پی اور بری طرح پکڑے گئے میرے یار!

۷۔ اب کیا ہوگا؟

خالد (تنگ آ کر) بکواس نہ کرو۔ جو کچھ ہو چکا ہے تمہارے سامنے ہے جو کچھ ہوگا وہ بھی تم دیکھ لوگے۔ دنیا کی نگاہوں سے کوئی چیز پوشیدہ بھی رہی ہے؟

(کالج کے گھنٹے کی آواز ٹن ٹن ٹن ٹن)

خالد۔ جاؤ جاؤ اپنی اپنی کلاس ATTEND کرو... مجھے میرے حال پر چھوڑ دو

(چند لمحات کے بعد خاموشی طاری ہو جاتی ہے)

خالد۔ بڑے بڑے بھر کر تیز بیچوں میں حصّہ لیا ہے بڑی بڑی چوٹیں کھائی ہیں مگر یہ تھکن جو اس وقت محسوس ہو رہی ہے آج تک کبھی طاری نہیں ہوئی۔ بغیچے کی اس جھاڑی کے پاس حمیدہ نے میرے دل کے ٹکڑے کیے تھے۔ اب یہیں تھوڑی دیر بیٹھ کر ان کو جوڑتا ہوں... دل ٹوٹا ہوا ہو مگر پہلو میں ضرور ہونا چاہیئے... اس کے بغیر زندگی فضول ہے...

(وقفہ)

...اس وقت مجھے کسی ہمدرد کی کتنی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ مگر..

گیت

کون کسی کا میت متوا ..... کون کسی کا میت !
راگ سبھا ہے دنیا ساری ..... جیون دکھ کا گیت
متوا کون کسی کا میت

رام بھروسے کھیلنے والے ..... نیّا کو منجدھار
اپنے ہاتھوں آپ ڈبو دے ..... کیوں ڈھونڈے پتوار
ڈبودی .... اپنے ہاتھوں سے آپ ڈبو دی ....

حمیدہ۔ خالد صاحب

(خالد خاموش رہتا ہے)

حمیدہ (ذرا بلند آواز سے) خالد صاحب۔

خالد (چونک کر) کیا ہے؟ ... اوہ! حمیدہ تم ہو... میں ... میں ... شاید گا رہا تھا۔

حمیدہ ۔ میں سُن رہی تھی ۔

خالد ۔ سُن رہی تھیں ... کیا سچ مچ ؟ ... تو معلوم ہو گیا نا تمہیں کہ میں کتنا بے سرا ہوں ... اور یہ گیت جو میں گا رہا تھا کتنا اوٹ پٹانگ تھا ۔ ہاں تو ... کیا تمہیں کسی بات کے بارے میں کچھ پوچھنا ہے ؟

حمیدہ ۔ میں یہ پوچھنے آئی ہوں کہ کل آپ نے میری غیر حاضری میں کیا کیا ؟

خالد ۔ اوہ ... تم کل کی بات پوچھ رہی ہو ۔ مگر وہ جو کل کی بات ہو چکی ۔۔۔ اس کے متعلق پوچھ کر کیا کرو گی ؟

حمیدہ ۔ کیا آپ نے سچ مچ کل شراب پی کر یہاں شور و غل مچایا ؟

خالد ۔ یہ تم کیوں پوچھ رہی ہو ؟

حمیدہ ۔ مجھے یقین نہیں آتا ۔

خالد ۔ کہ میں نے تمہارے کہے پر عمل کیا ہو گا ؟

حمیدہ (حیرت سے) میرے کہے پر ؟ ۔ میں نے آپ سے شراب پینے کو کبھی نہیں کہا ۔

خالد ۔ تو کیا زہر پینے کو کہا تھا ؟

حمیدہ ۔ اور اگر میں نے کہا ہوتا تو ؟

خالد ۔ میں کبھی نہ پیتا ۔

حمیدہ ۔ کیوں ؟

خالد ۔ اس لیے کہ میں مرنا نہیں چاہتا ۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں ۔ اس میں کوئی شک نہیں مگر میں اس محبت کی شکست پر اس کو ہلاک کرنے کے لیے تیار نہیں ۔ پرانے عاشقوں کا فلسفہ میری نگاہوں میں فرسودہ ہو چکا ہے جب تک میں زندہ رہ سکوں گا تمہاری محبت ..... دباتے رہوں گا ۔۔۔ تم

میری آنکھوں کے سامنے رہو گی تو میرے زخم ہمیشہ ہرے رہیں گے ۔۔۔۔
جب ایک روگ اپنی زندگی کو لگا یا ہے تو کیوں نہ وہ عمر بھر تک ساتھ رہے ۔
۔ تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اپنی محبت کا
گلا گھونٹ دوں ۔

حمیدہ ۔ تو آپ نے صرف میری محبت کی خاطر اپنے آپ کو رسوا کیا ؟

خالد ۔ ظاہر ہے ۔

حمیدہ ۔ لیکن کیا آپ کو اس رسوائی کے علاوہ کوئی اور راستہ نظر نہ آیا ؟

خالد ۔ کئی راستے تھے لیکن مجھے یہی اچھا نظر آیا ۔ تم خود دیکھ لو گی کہ ہینگ پھٹکری
لگے بغیر رنگ چوکھا آئے ۔۔۔ آج شام ہی کو جب تمہارے گھر میرے کالج
سے نکال دینے کی خبر پہنچے گی تو تمہارا وہ کام فوراً ہو جائے گا ۔ جس کے
لیے تم نے مجھ سے امداد طلب کی تھی ۔ نہ میں نے اپنے والدین کی عدول
حکمی کی اور نہ تمہیں اپنے ماں باپ کو ناراض کرنے کا موقع ملا ۔ بتاؤ کیا
میں نے غلط راستہ منتخب کیا ۔

حمیدہ ۔ لیکن یہ بدنامی ، یہ رسوائی ، جو آپ نے مول لی ؟

خالد ۔ مجھے اب شادی نہیں کرنا ہے ۔۔۔ جو یہ رسوائی اور بدنامی میرے حق میں غیر مفید ہو گی ۔

حمیدہ ۔ اور اگر آپ کو شادی کرنی پڑی تو ؟

خالد ۔ پاگل ہو گئی ہو ۔۔۔ جب تم ایسے مرد سے شادی کرنے کو تیار نہیں ہو جس
سے تم محبت نہیں کر سکتیں تو میں کیونکر ایسی عورت سے شادی کر سکتا ہوں
جس سے میں محبت نہیں کرتا ؟

حمیدہ۔ ممکن ہے آپ کو کسی سے محبت ہو جائے!
خالد۔ یہ ناممکن ہے جس طرح تمہارے دل میں میری محبت پیدا نہیں ہو سکتی اسی طرح میرے دل میں اور کسی کی محبت پیدا نہیں ہو سکتی —— مگر اس گفتگو سے کیا فائدہ —— میری روح کو سخت تکلیف پہنچ رہی ہے۔
حمیدہ۔ آپ نے کیسے کہہ دیا کہ میرے دل میں محبت پیدا نہیں ہو سکتی؟
خالد۔ میں نے یہ کہا تھا کہ تمہارے دل میں میری محبت پیدا نہیں ہو سکتی؟
حمیدہ۔ اگر ہو جائے؟
خالد (حیرت زدہ ہو کر) یعنی کیا؟
حمیدہ۔ میرے دل میں آپ کی محبت پیدا ہو جائے... ایکا ایکی مجھے ایسا محسوس ہونے لگے کہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں... کیا ایسا نہیں ہو سکتا۔
خالد۔ اپنے دل سے پوچھو۔
حمیدہ۔ ایسی بات پوچھی نہیں جاتی اپنے آپ کو معلوم ہو جایا کرتی ہے —— پڑوسی کے مکان میں اگر آگ لگ جائے تو کیا آپ دوڑے ہوئے اسی کے پاس جا کر پوچھیں گے کیوں صاحب! کیا واقعی آپ کا مکان جل رہا ہے؟
خالد۔ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔
حمیدہ۔ میں ٹھیک سمجھا نہیں سکتی۔ پر اب سمجھنے اور سمجھانے کی ضرورت ہی کیا ہے جو کچھ آپ چاہتے تھے اور جس کے متعلق مجھے وہم و گمان بھی

نہ تھا۔ آج ایکا ایکی ہو گیا ہے۔

خالد۔ کیا ہو گیا ہے؟

حمیدہ۔ میرے دل میں آپ کی محبت پیدا ہو گئی ہے۔ ... اتوار کو ہمارا نکاح ہو رہا ہے۔

خالد۔ محبت؟ میں ... تم ... میں ... میں ... نکاح ... کیسے؟

حمیدہ۔ مجھے آپ سے شادی کرنا منظور ہے۔ جب گھر میں آپ کے کالج سے نکال دیئے جانے کی بات شروع ہو گی، تو میں سارا واقعہ بیان کر دوں گی۔ ... اس طرح کوئی بدگمانی پیدا نہ ہو گی۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ آپ کا ایک برس ضائع ہو گیا۔

خالد۔ ایک برس ضائع ہو گیا ــــ میں تمہیں اپنا بنانے کے لیے اپنی زندگی کے سارے برس ... پر میں کیا کہہ رہا ہوں۔

حمیدہ۔ میں اب جاتی ہوں۔ مجھے پرنسپل صاحبہ سے مل کر یہ کہنا ہے کہ میں اس سال امتحان میں شریک نہیں ہو رہی۔ اگلے برس ہم اکٹھے امتحان دیں گے۔

(چند لمحات خاموشی طاری رہتی ہے)

خالد۔ نیلے آسمان میں ابابیلیں اڑ رہی ہیں۔ اس بغیچے کی پتی پتی خوشی سے تھرتھرا رہی ہے اور میں کس قدر حیرت زدہ ہوں ... کس قدر حیرت زدہ ہوں۔

فیڈ آؤٹ

چوڑیاں

افراد

حامد	کالج کا ایک جواں طالب علم طبیعت شاعرانہ
سعید	حامد کا دوست
ڈپٹی صاحب	حامد کے والد
ثریا	حامد کی بہن
حمیدہ	
ماں	حامد کی ماں

دکان دار۔ حمیدہ کی ایک اور سہیلی۔ تار والا اور ایک ملازم۔

پہلا منظر

کالج ہوسٹل کا ایک کمرہ — ہر چیز قرینے سے رکھی ہے بہت کم فرنیچر ہے لیکن ٹھکانے سے رکھا ہے اور بہت خوب صورت دکھائی دیتا ہے۔ پلنگ کی چادر (اجلی) ہے، بے داغ — میز کا کپڑا ابھی صاف ستھرا ہے دیواروں پر صرف دو تصویریں نظر آتی ہیں چغتائی کی جن کے فریم بہت ہی نازک ہیں۔ میز پر کچھ کتابیں رکھی ہیں جن میں سے اکثر شاعروں کے دیوان ہیں — حامد آرام کرسی میں پورے لباس میں بیٹھا اخبار پڑھ رہا ہے اور اس کا دوست سعید لوہے کے پلنگ پر لیٹا دو نرم نرم تکیوں

پر کہنی جمائے، ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے رکھے حامد کی طرف دیکھ رہا ہے —
جو اخبار پڑھنے میں مصروف ہے۔

حامد (اخبار کے پیچھے سے) اپنے عزیزوں اور دوستوں کو تحفے دیجئے — یہ بھی
— اشتہار کی سرخی دلچسپ ہے — "اپنے دوستوں اور عزیزوں کو
تحفے دیجئے —" شادی بیاہ اور سالگرہ اور اسی قسم کی دوسری تقریبوں پر
حسین تحفے ہی دینے چاہئیں — آپ کا دیا ہوا آئینہ، آپ کا پیش کردہ
پھولدان، آپ کا بھیجا ہوا ہار — ذرا غور فرمائیے۔ ان حسین تحفوں میں کتنی
شاعری ہے — ہمارے شوروم میں تشریف لائیے اور اپنے دوست
اپنے عزیز یا اپنے ....

(سعید کھانستا ہے)

حامد۔ کوئی تحفہ دینے کے لیے اپنے دل پسند شعر انتخاب فرمائیے۔

سعید (لائیے اخبار میرے حوالے کیجئے — میں جنگ کی تازہ خبریں
پڑھنا چاہتا ہوں —

حامد (اخبار چہرے پر سے ہٹاتے اور اسے تہہ کرتے ہوئے) آپ کو جنگ سے
اتنی دلچسپی کیوں ہے؟

سعید۔ اس لیے کہ میں بہت صلح کن آدمی ہوں۔

حامد۔ یہ جنگ بھی صلح کن آدمی ہی کر رہے ہیں (اخبار تہہ کرتا اٹھتا ہے) خیر،
ہٹائیے اس قصے کو — میں آپ سے یہ عرض کرنے والا تھا کہ میں
ایک حسین تحفہ خریدنا چاہتا ہوں۔

سعید (کروٹ بدل کر) کس کے لیے؟

حامد (اخبار میز پر پھینکتے ہوئے) اس کا ابھی فیصلہ نہیں ہوا؟

سعید۔ خوب۔

حامد۔ تحفہ لے آؤں تو بعد میں فیصلہ کر لیا جائے گا۔

سعید (اٹھ کے پلنگ پر بیٹھ جاتا ہے) ٹھیک ــــ لیکن آپ کا کوئی دوست ــــ کوئی عزیز ــــ؟ ــــ کوئی...؟

حامد۔ یہاں آپ کے سوا کوئی نہیں۔

سعید (خوش ہو کر) تو....

حامد۔ جی نہیں۔ تحفہ میں آپ کو نہیں دینا چاہتا۔

سعید۔ کیوں؟

حامد (کرسی سے اٹھ کر سعید کے پاس بیٹھ جاتا ہے) اس لیے کہ آپ کو اپنی تاریخ پیدائش ہی معلوم نہیں ــــ فرمائیے آپ کب پیدا ہوئے تھے ــــ؟

سعید۔ ایسی چیزیں کون یاد رکھتا ہے۔

حامد۔ اب آپ کی سالگرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سعید۔ جی ہاں۔ بالکل پیدا نہیں ہوتا۔

حامد۔ رہی آپ کی شادی تو اس کے متعلق مجھے یقین ہے کہ کبھی ہو ہی نہیں سکتی۔

سعید۔ یعنی اس معاملے میں آپ مجھ سے بھی کہیں زیادہ نا امید ہو چکے ہیں۔

حامد۔ جی ہاں ــــ اس لیے کہ آپ کبھی یہ فیصلہ نہیں کر سکیں گے کہ آپ کو پچاس برس کی عورت چاہیئے جس میں سولہ برس کی الھڑ لڑکی کی خام کاریاں ہوں یا آپ کو سولہ برس کی لڑکی چاہیئے جس میں پچاس برس کی عورت کی پختہ کاریاں موجود ہوں ــــ لیکن میرا نقطہ نظر بالکل جدا ہے ــــ

سعید (پلنگ پر سے اٹھ کر آرام کرسی پر بیٹھ جاتا ہے جہاں پہلے حامد بیٹھا تھا) جو
مجھے اچھی طرح معلوم ہے لیکن کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ تحفہ خریدنے
کے بعد ہی شادی کے مسئلے پر غور کریں گے۔

حامد۔ غالباً ایسا ہی ہوگا۔

سعید۔ تو ظاہر ہے کہ آپ کوئی زنانہ تحفہ خریدیں گے۔

حامد۔ بالکل ظاہر ہے (پلنگ پر لیٹ جاتا ہے اسی طرح جس طرح سعید لیٹا
ہوا تھا) ـــــ میں نے اگر کوئی مردانہ تحفہ خریدا تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ
میں بہت خود غرض اور کمینہ ہوں۔

سعید۔ کیا شک ہے .... میرا مطلب ہے ...

حامد۔ آپ کا مطلب ٹھیک ہے اس لیے کہ تحفہ میری طرف سے میری طرف ہوگا۔
لیکن ہو سکتا ہے کہ میں اپنی سالگرہ منالوں۔ کیونکہ مجھے اپنی تاریخ
پیدائش اچھی طرح یاد ہے ـــــ میرا مطلب ہے زبانی یاد نہیں لیکن
نوٹ بک میں لکھی ہوئی موجود ہے۔

سعید۔ اس صورت میں بھی آپ کا تحفہ آپ کی طرف سے آپ ہی کی طرف ہوگا۔

حامد (بستر پر اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے) ارے ہاں ـــــ یہ تو ہوگا ـــــ
تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ تحفہ خریدنے کے بعد مجھے کوئی عورت ....

سعید (اٹھ کھڑا ہوتا ہے) یا لڑکی کی تلاش کرنا پڑے گی جس کے ساتھ آپ شادی کر سکیں۔

حامد۔ ہاں ایسی عورت ...

سعید۔ یا لڑکی!

۔ یا لڑکی ـــــ مجھے ہر حالت میں تلاش کرنا پڑے گی ـــــ

سعید۔ ہر حالت میں کیوں؟
حامد۔ ہر حالت میں نہیں ــــ صرف اس حالت میں جب میں نے تحفہ خرید لیا ہوگا۔
سعید۔ یہ حالت بہت ہی قابل رحم ہوگی۔
حامد۔ کچھ بھی ہو ــــ میں تحفہ خریدنے کا فیصلہ کر چکا ہوں ــــ اب یہ تبدیل نہیں ہو سکتا ــــ آیئے چلیں ــــ
(حامد ٹوپی پہنتا ہے ــــ سعید ذرا آئینے میں اپنے بال درست کرتا ہے حامد میز پر سے اخبار اٹھاتا ہے)

حامد۔ چلیئے!
سعید۔ چلیئے!

(دونوں باہر نکل جاتے ہیں)

دوسرا منظر

تحفوں کی دوکان ــــ وسیع و عریض جگہ ہے، جہاں بے شمار الماریاں دھری ہیں بڑے بڑے شیشے کے شوکیس رکھے ہیں۔ ہر ایک چیز جھلمل جھلمل کر رہی ہے ــــ بہت سے گاہک جمع ہیں ــــ کچھ آ رہے ہیں کچھ جا رہے ہیں ــــ حامد اور سعید ادھر آتے ہیں۔ حامد کے ہاتھ میں اخبار ہے وہ اس دوکان کا پتہ دیکھ رہا ہے ــــ دوکان دار نئے گاہکوں کو دیکھ کر متوجہ ہوتا ہے اور پاس آتا ہے۔

دوکاندار۔ فرمایئے!....

حامد۔ تحفوں کی یہی دوکان ہے۔ جس کا اشتہار۔ ۔ ۔

دوکاندار۔ آپ اس اخبار میں ملاحظہ فرما رہے ہیں ـــ آیئے۔ آیئے ـــ

(دوکان کے ذرا اندر چلے جاتے ہیں ـــ اتنے میں چند لمحات کے بعد دو لڑکیاں آتی ہیں، بڑی تیز، بڑی طرار)

حمیدہ (دوکان کے ملازم سے) تحفوں کی یہی دوکان ہے۔

ملازم۔ جی ہاں۔ یہی دوکان ہے اور گورنمنٹ سے رجسٹرڈ۔

حمیدہ۔ رجسٹرڈ؟

ملازم۔ جی ہاں ـــ اندر تشریف لے جایئے میم صاحب!

(دونوں لڑکیاں دوکان کے اندر چلی جاتی ہیں حمیدہ اس شوکیس کے پاس پہنچتی ہے جہاں حامد دوکاندار کے پاس کھڑا ہے اور جھک کر شوکیس میں رکھی ہوئی چیزوں کو دیکھ رہا ہے)

حامد (دوکاندار سے) مجھے آپ کی سب چیزیں پسند آئی ہیں (اچانک حمیدہ کی طرف دیکھتا ہے) خاص طور پر وہ چیز تو خوب ہے۔ ۔ ۔

(حمیدہ کے ایک دم گال سرخ ہو جاتے ہیں)

دوکاندار۔ کونسی؟

حامد (دوکان کے ایک کونے کی طرف اشارہ کر کے) وہ پتلی جو اس کونے کی زینت بڑھا رہی ہے۔

دوکاندار۔ قدر افزائی کا شکریہ ـــ فرمایئے کونسا تحفہ باندھ دوں میرا ذاتی خیال ہے کہ۔ ۔ ۔

حامد۔ فرمایئے فرمایئے آپ کا ذاتی خیال کیا ہے (حمیدہ کی طرف دیکھتے ہوئے)

دوکاندار۔ کس کے متعلق ؟
حامد (چونک کر) ان ہی . . . ان ہی تحفوں کے متعلق !
دوکاندار۔ میرا ذاتی خیال ہے . . . مگر آپ کس تقریب کے لیے تحفہ چاہتے ہیں ؟
حامد۔ ہاں یہ بتانا واقعی ضروری ہے۔ (آواز دیتا ہے) — سعید صاحب
. . . سعید صاحب۔
سعید۔ حاضر ہوا۔
حامد۔ آپ انہیں بتا دیجئے کہ مجھے کس تقریب کے لیے تحفہ چاہیئے۔
(حمیدہ کھل کھلا کر ہنستی ہے)
حامد۔ یہ کون ہنسا ؟
دوکاندار۔ لڑکیاں ہیں۔ ہنس رہی ہیں۔
حامد۔ ہاں لڑکیاں ہیں ہنس رہی ہیں . . . قصّہ یہ ہے کہ مجھے اپنی بیوی کے لیے
— میرا مطلب ہے کہ اس بیوی کے لیے جو میری بیوی ہونی چاہیئے !
اور بہت جلد ہونی چاہیئے۔ مجھے ایک تحفہ خریدنا ہے — ہم دونوں
نے یہی فیصلہ کیا ہے حالانکہ میں اپنی سالگرہ منا سکتا تھا۔
دوکاندار۔ اس میں کیا شک ہے . . . میرا ذاتی خیال ہے۔
(حمیدہ ہنستی ہے)
دوکاندار۔ یہ کون ہنسا ؟
سعید۔ لڑکیاں ہیں ہنس رہی ہیں !
حامد۔ ہاں لڑکیاں ہیں۔ انہیں ہنسنا ہی چاہیئے۔
دوکاندار۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ اب آپ کو جلدی کوئی تحفہ خرید لینا چاہیئے کیوں کہ . . .

حامد۔ میں اپنا تحفہ منتخب کر چکا ہوں۔
دوکاندار۔ فرمائیے ؟
حامد۔ شوکیس میں سے دو چوڑیاں نکالتا ہے جس پر مینا کاری کا کام ہے) یہ وہ چوڑیاں جو اس خوبصورت بکس میں دو حسین کلائیوں کو دعوت دے رہی ہیں۔
دوکاندار (بکس لے کر) واہ وا۔ کیا تحفہ چنا ہے آپ نے ——— میرا ذاتی خیال ہے کہ....
(تیسری قدمی سے حمیدہ آتی ہے)
حمیدہ (دوکاندار سے) اس تاش کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے ؟
حامد۔ بہت خوبصورت ہے ——— خصوصاً....
حمیدہ ۔ میں نے آپ کی رائے طلب نہیں کی۔
سعیدہ ۔ کچھ میں عرض کروں۔
حمیدہ ۔ جی نہیں (دوکان دار سے) فرمائیے اس کے متعلق آپ کی ذاتی رائے کیا ہے ؟
دوکاندار۔ بڑا خوبصورت ہے۔ دیرپا ہے اور ایک نفیس چیز ہے ——— وہ خوش نصیب ہوگا جسے آپ یہ تحفہ دیں گی۔
حامد۔ یعنی اگر وہ فلش کھیلے گا تو خوب جیتے گا۔
حمیدہ ۔ آپ نے کیسے جانا کہ میں یہ تاش کسی کو تحفہ دینے ہی کے لیے خرید رہی ہوں ——— آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ تاش میں نے صرف اپنے لیے خریدا ہے ——— (دوکاندار سے) پیک کرا دیجئے اسے (بٹوہ کھول کر) یہ لیجئے اس کی قیمت۔
حامد (چوڑیوں کا بکس دکاندار کو دیتے ہوئے) پیک کرا دیجئے اسے ——— (جیب

سے دام نکال کر دیتے ہوئے) لیجئے قیمت!

(دکان دار دونوں چیزیں لے کر چلا جاتا ہے)

حمیدہ (اپنی سہیلی کو آواز دیتی ہے) سعیدہ!

سعید۔ ارشاد۔

حمیدہ۔ آپ کا نام سعیدہ ہے۔

سعید۔ جی نہیں ... فقط سعید، ہائے ہوّز کے بغیر...

(سعیدہ آتی ہے)

حمیدہ (حامد کی طرف دیکھ کر سعیدہ سے) کیوں سعیدہ، میں نے یہ تاش اپنے لیے خریدا ہے یا کسی اور کے لیے؟

سعیدہ۔ اپنے لیے۔

حامد۔ یہ اور بھی اچھا ہے۔

حمیدہ۔ کیوں؟

حامد۔ اس لیے کہ چوڑیاں بھی میں نے اپنے لیے خریدی ہیں۔

حمیدہ (مسکرا کر) آپ خود پہنئے گا۔

حامد۔ جی ہاں فی الحال خود ہی پہنوں گا جب تک ... آپ تاش بھی فی الحال اکیلے ہی کھیلیں گے۔

حمیدہ۔ فی الحال میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا اور میں سمجھتی ہوں کہ فی الحال ہمیں یہ گفتگو بند کر دینی چاہیئے۔

(دکان دار آتا ہے)

دوکاندار۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ...

حامد - فی الحال اپنے ذاتی حیا کو موقوف رکھیے.... لائیے میری چوڑیاں۔
حمیدہ - لائیے میرا تاش۔
(دکان دار دو توں کے پیکیٹ دونوں کے حوالے کر دیتا ہے.....
(سب باہر نکلتے ہیں)

تیسرا منظر

ہوسٹل کا وہی کمرہ جو ہم پہلے منظر میں دکھا چکے ہیں ــــ حامد کرسی پر بیٹھا ہے سامنے تپائی رکھی ہے جس پر تاش کے پتے بکھرے ہوئے ہیں حامد انہیں اکٹھا کرتا ہے پھینٹتا ہے ــــ اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور سامنے دیوار پر چغتائی کی پینٹنگ کی طرف دیکھ کر گانا شروع کر دیتا ہے۔

گیت

نیندوں سے لبریز ہیں آنکھیں جیسے خواب رسیلے
ترچھی نظریں یوں پڑتی ہیں جیسے بان کٹیلے
چال میں ایسا دم خم جیسے رک جانے کے حیلے
زہر تہی پر کون ہے جو یہ زہر نہ بڑھ کر پی لے

ہونٹوں پر ان سنے ترانے جھیل میں جیسے تارے
بانکی چتون میں وہ چھل بل جو کھیلے سو ہارے
چہرے پر لالی سی جیسے کلیاں ندی کنارے
حسن کے اس اڈے ہارے میں ڈھونڈے کون سہارے

حامد (پھر کرسی پر بیٹھ جاتا ہے اور تھوڑی دیر گیت کی دھن گنگنانے کے بعد
تاش کے پتے ایک ایک کر کے پھینکتا ہے) بادشاہ ... بیگم ... اور یہ کہ
... راؤنڈ بن گئی (گنگناتا ہے) ... جن کے اس امڈے دھارے میں
ڈھونڈے کون سہارے ؟ (پھر پتے پھینکتا ہے) ستا ... اٹھا ... اور
... یہ نہلا ——— یہ بھی راؤنڈ بن گئی -

(سعید اندر داخل ہوتا ہے)

سعید - آپ راؤنڈ ہی کیا بنا رہے ہیں - ارے — یہ تو اسی قسم کا تاش ہے -
حامد - اجی نہیں ——— اسی قسم کا تاش نہیں بلکہ وہی تاش ہے ———
سعید (حیرت سے) آپ کا مطلب ؟
حامد (اٹھ کر تاش پھینٹتے ہوئے) بالکل واضح ہے -
سعید (کرسی پر بیٹھ جاتا ہے) یعنی ؟
حامد - دیکھئے، میں آپ کو بتاتا ہوں (تاش کے پتے تپائی پر پھینکتا ہے) یہ
دہلا ——— یہ بیگم ——— اور یہ غلام ——— دیکھا آپ نے ... اب آپ
خود ہی سوچ لیجئے - یہ کیا معاملہ ہے ؟
سعید - آپ خود ہی بیان فرمائیے -
حامد (گاتا ہے) ہونٹوں پر اَن سُنے ترانے جھیل میں جیسے تارے ——— یہ
اَن سُنے ترانے آپ نہیں سُن سکتے -
سعید - یہ آپ کیا پہیلیاں کھوا رہے ہیں مجھ سے ——— میں پوچھتا ہوں یہ
تاش آپ کے پاس کیسے آ گیا -
حامد - آ گیا ——— حق بحق دار رسید ——— میں نے آج نوٹ بک کھول کر دیکھی

تو معلوم ہوا کہ آج ہی میری سالگرہ ہے ـــ سو اپنی سالگرہ کا تحفہ مجھے مل گیا اور وہ دو چوڑیاں ادھر چلی گئیں۔

سعید۔ کدھر؟

حامد۔ ادھر ہی ـــ میری ہونے والی بیوی کے پاس۔

سعید (اٹھ کھڑا ہوتا ہے) میرا ذاتی خیال ہے کہ دکان دار کی غلطی سے پیکٹ بدل گئے ـــ آپ کی چوڑیاں ادھر چلی گئیں اس کا تاش اِدھر آ گیا۔

حامد۔ آپ کا ذاتی خیال دوکاندار کے ذاتی خیال سے بہت زیادہ درست ہے۔

سعید۔ اب آپ کیا کیجئے گا؟

حامد۔ کچھ بھی نہیں ـــ تاش کھیلا کروں گا

سعید۔ اور وہ چوڑیاں پہنا کرے گی۔

حامد۔ کیا حرج ہے؟

(دروازے پر دستک ہوتی ہے)

حامد۔ کون ہے؟

تار والا (باہر سے) تار والا حضور۔

(حامد تاش کو تپائی پر رکھ کر باہر نکلتا ہے۔ چند لمحات تک سعید اکیلا تاش کے پتے ایک ایک کر کے تپائی پر پھینکتا ہے)

سعید۔ راؤنڈ ـــ حد ہو گئی ہے۔

(حامد تار لیے اندر آتا ہے)

حامد۔ کیا ہُوا؟

سعید۔ ایک راؤنڈ بن گئی تھی ـــ آپ سنائیے خیریت تو ہے!

حامد۔ قبلہ والد صاحب کا تار ہے۔
سعید۔ کیا فرماتے ہیں۔
حامد۔ فرماتے ہیں فوراً چلے آؤ —— ایک ضروری کام ہے ——
سعید۔ یہ ضروری کام کیا ہو سکتا ہے؟
حامد۔ ڈپٹی صاحب ہی جانیں —— سوال تو یہ ہے کہ اب جانا پڑے گا ——
(سعید کے ہاتھ سے تاشش لیتا ہے) دیکھئے اگر سوئے اتفاق سے میری غیر حاضری میں آپ کی ان سے ملاقات ہو جائے اور وہ اس تاشش کے بارے میں استفسار کریں تو ۔۔۔
سعید۔ میں اپنی لاعلمی کا اظہار کروں، لیکن اگر وہ اسی قسم کا دوسرا سودا کرنا چاہیں۔
حامد۔ تو میری طرف سے آپ کو اس کی کھلی اجازت ہے۔
سعید۔ تو چلیئے، اپنا اسباب بند کیجئے۔

چوتھا منظر

ڈپٹی صاحب کا گھر —— ہال کمرہ —— پر تکلّف طریقے پر سجا ہوا
ڈپٹی صاحب دوہرے بدن کے بزرگ ہیں آرام کرسی پر بیٹھے ایک موٹا سگار پینے میں مصروف ہیں —— ان کے پاس حامد کھڑا ہے جیسے وہ ابھی اسٹیشن سے آرہا ہے۔
حامد۔ میں آپ کا تار ملتے ہی چل پڑا ——

ڈپٹی صاحب۔ تم نے بہت اچھا کیا۔ کیونکہ وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔

حامد۔ کس میں؟

ڈپٹی صاحب۔ تمہاری شادی میں۔

حامد (حیرت سے) میری شادی میں ... یعنی میری شادی ہو رہی ہے۔

ڈپٹی صاحب۔ قطعی طور پر ہو رہی ہے۔

حامد۔ کس کے ساتھ؟

ڈپٹی صاحب۔ ایک لڑکی کے ساتھ!

حامد۔ جس کو میں بالکل نہیں جانتا۔

ڈپٹی صاحب۔ ہاں! جس کو تم بالکل نہیں جانتے۔

حامد۔ اور شادی میری ہو رہی ہے؟

ڈپٹی صاحب۔ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟

حامد۔ میں کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے یہ شادی منظور نہیں۔

ڈپٹی صاحب (غصے میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں) کیا کہا؟

حامد۔ ابّا جی یہ سراسر ظلم ہے — میں کیسے اپنی شادی پر رضامند ہو سکتا ہوں۔ — میں لڑکی کو جانتا نہیں — اس کی شکل سے ناواقف ہوں۔ جانے کس مزاج کی ہے — کیسے خیالات رکھتی ہے — میری عدم موجودگی میں مجھ سے مشورہ لیے بغیر آپ نے اتنا بڑا فیصلہ صادر کر دیا۔

ڈپٹی صاحب۔ میں تمہارا باپ ہوں۔

حامد۔ درست ہے لیکن ... لیکن ... ابّا جی — آپ خدا کے لیے اتنا تو سوچیں۔ پڑھا لکھا آدمی ہوں۔ روشن خیال ہوں — دلی میں جانے کیا کیا

ٹھنگس ہیں اور پھر —— اور پھر۔۔۔ اب میں آپ سے کیا کہوں ـ مجھے معلوم
ہوتا کہ آپ مجھے یہاں بُلا کر یہ فیصلہ سنانے والے ہیں تو میں کبھی نہ آتا ——
کہیں بھاگ جاتا —— خودکشی کر لیتا ——

ڈپٹی صاحب۔ میں تمہاری یہ بکواس سننے کے لیے تیار نہیں ——

حامد۔ میں شادی کرنے کے لیے بھی تیار نہیں۔

ڈپٹی صاحب۔ دیکھوں گا تم کیسے نہیں کرتے؟

(غصے میں بھرے کمرے سے باہر چلے جاتے ہیں)

حامد (اپنے آپ سے) عجیب مصیبت میں پھنس گیا ہوں —— کچھ سمجھ میں نہیں آتا
کیا کروں —— شادی نہ ہوئی کھیل ہو گیا —— کیا کروں کیا نہ کروں۔
میری جان عجب مصیبت میں پھنس گئی ہے (باپ کے الفاظ دُہراتا ہے)
دیکھوں گا تم کیسے شادی نہیں کرتے —— چلیے فیصلہ ہو گیا —— اب
چاہے میری ساری زندگی تباہ ہو جائے (جیب میں سے تاش کا پیکٹ
نکالتا ہے —— صوفے پر بیٹھ جاتا ہے اور پتے پھینٹتے ہوئے کہتا ہے)
یہ تاش ہی اب میری قسمت کا فیصلہ کرے گی —— اگر تین پتوں نے راؤنڈ
نہ بنائی۔ تو میں کبھی شادی نہیں کروں گا اور اگر ۔۔۔ بن گئی تو —— تیر درویش
بر جانِ درویش کر لوں گا —— جب شادی کو کھیل ہی سمجھا گیا ہے، تو یوں
ہی سہی۔ مَیں بھی اس کا فیصلہ پتوں ہی سے کروں گا (ایک ایک کر کے تین
پتے پھینکتا ہے) دُکّی ۔۔۔۔ تکّی —— اور ۔۔۔ یہ چوکا ۔۔۔ لعنت (تاش
کی گڈی زمین پر پٹک دیتا ہے) آخری سہارا بھی دھوکا دے گیا۔

(حامد کی ماں جلدی جلدی کمرے میں داخل ہوتی ہے)

ماں۔ یہاں بیٹھے تاش کھیل رہے ہو۔ ماں سے نہیں ملنا تھا ؟

حامد (ماں کی طرف بڑھتے ہوئے) —— امّی جان —— امی جان ——
میں شادی نہیں کروں گا۔

ماں۔ یہ کیا بیہودہ بک رہے ہو ؟

حامد۔ نہیں امی جان —— مجھے ایسی شادی منظور نہیں —— یعنی مجھ سے
پوچھے بغیر میری شادی کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔

ماں۔ اس میں پوچھنے کی بات ہی کیا تھی۔ ماں باپ اندھے تو نہیں ہوتے۔

حامد۔ مجھے تو آپ لوگوں نے اندھا ہی سمجھا۔

ماں۔ ہم نے جو کچھ کیا ہے، ٹھیک کیا ہے۔

حامد۔ میں مر جاؤں گا لیکن اس طرح شادی کبھی نہیں کروں گا۔

ماں۔ کچھ ہوش کی دوا کرو —— جو منہ میں آتا ہے بک دیتے ہو ——

حامد۔ آپ تو چاہتی ہیں بس گلا ہی گھونٹ دیں۔ آدمی اُف تک نہ کرے۔

ماں۔ بڑا ظلم ہوا ہے تم پر۔

حامد۔ اس سے بڑھ کر اور ظلم کیا ہوگا یعنی میری ساری زندگی پر کالا چل کا لیپ کیا
جا رہا ہے —— مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک اندھیرے غار میں دھکیلا
جا رہا ہے —— اور ابھی کچھ ظلم نہیں ہوا —— امی جان سچ کہتا ہوں
اسے دھمکی نہ سمجھئے۔ زہر کھا لوں گا —— گاڑی کے نیچے جا مروں گا پر
ایسی شادی کبھی نہ کروں گا۔

ماں۔ تم پیدا ہی نہ ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ آج مجھے یہ دن دیکھنا تو نصیب نہ ہوتا۔
(گلے میں آواز رندھ جاتی ہے) میں نے کس چاؤ سے تمہاری نسبت ٹھہرائی تھی۔

(رونا شروع کر دیتی ہے)

(دُور سے ثریا کی آواز آتی ہے، امی جان ——— امی جان ———
اس کے بعد وہ خود تیز قدمی سے اندر آتی ہے)

ثریا۔ امی جان آپ ادھر ہیں ——— اخاہ بھائی جان ——— آپ تشریف لے آئے ——— امی جان میں آپ کو اُدھر دیکھ رہی تھی ———

ماں۔ کیا ہے؟

ثریا۔ ناپ لے آئی ہوں امی جان ——— لیکن کن مشکلوں سے ملا ہے ——— پر آپ خاموش کیوں ہیں؟ ——— رو کیوں رہی ہیں ——— بھائی جان کیا بات ہے؟

ماں۔ سُنار باہر بیٹھا ہے؟

ثریا۔ ہاں بیٹھا ہے۔

ماں۔ اس سے کہہ دے کہ چلا جائے ——— ہمیں کنگنیاں نہیں بنوانا ہیں۔

ثریا۔ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں امی جان ——— ناپ لے آئی ہوں ———

ماں۔ ثریا تو اس وقت جا ——— میری طبیعت ٹھیک نہیں ——— سنار سے کہہ دے کل آئے ———

ثریا۔ اس کا مطلب ہے ناپ موجود ہے تو پھر وہ کل کیوں آئے آج ہی کیوں نہ کام شروع کر دے تاکہ وقت پر مل جائے ———

ماں۔ جو دل میں آئے۔ کر ——— مجھ نصیبوں جلی کو نہ ستا۔

ثریا۔ جانے آپ کس بات پر بھری بیٹھی ہیں ——— ستائیں آپ کو جا کر بھائی جان اور کو سا مجھے جائے ——— وہ تو خیر اب نخرے کریں ہی گے، بات بات پر

بگڑیں گے — شادی جو ہو رہی ہے — اچھا خیر، اس قصے کو چھوڑیے
مجھے اس کے لیے تحفہ خریدنا ہے ۔ ابھی وہاں گئی تو معلوم ہوا کل اس کی
سالگرہ ہے — کچھ روپے دیجیئے مجھے !

ماں ۔ میں کہتی ہوں دفان ہو یہاں سے ۔ مغز نہ چاٹ میرا (چلی جاتی ہے)

ثریا (غصے میں حامد کی طرف بڑھتی ہے) حامد بھائی جان — آپ کیوں منہ میں
گھنگھنیاں ڈالے کھڑے ہیں ۔ جیسے آپ کے منہ میں زبان ہی نہیں —
ایک تو میں آپ کے کام کرتی پھروں اور پھر الٹا جھڑکیاں کھاؤں ——

حامد ۔ میں اس وقت کوئی بات نہیں کرنا چاہتا ——

ثریا ۔ تو لیجئے ۔ یہ ناپ کی چوڑی آپ سنبھالیے ۔ باہر سنار بیٹھا ہے اس سے جو
کہنا ہو کہہ دیجئے (حامد کے ہاتھ میں غصے سے چوڑی رکھ دیتی ہے)

حامد (چوڑی دیکھ کر) ثریا — ثریا — بات سنو — یہ چوڑی تم نے کہاں سے لی ؟

ثریا ۔ کہیں سے بھی لی ہو ۔ آپ کو اس سے کیا ؟

حامد ۔ میں سمجھ گیا — میں سمجھ گیا — لیکن یہ واقعی اسی کی ہے نا — اُسی کی ؟

ثریا ۔ نہیں بتاتی ۔

حامد ۔ میری اچھی بہن جو ہوئی — بتاؤ کس کی ہے ؟

ثریا ۔ سمجھ گئے لیکن بار بار پوچھیں گے — مزہ آتا ہے — آپ کی ہونے
والی بیوی کی ہے جس کی کلائی سے زبردستی اتار کے لائی ہوں ۔

حامد ۔ زبردستی — کیوں وہ اتارنے نہیں دیتی تھی ۔

ثریا ۔ ہاں، کہتی تھی، نہیں میں یہ چوڑی کبھی نہیں دوں گی ۔ کسی کا تحفہ ہے
— تم کوئی اور لے جاؤ ۔

حامد۔ اچھا۔

ثریّا۔ پر میں ایک اور بہانے سے آئی کہ مجھے بھی ایسا ہی جوڑا منگوانا ہے۔

حامد (خوش ہوکر) وہ مارا! (بہن کو گلے لگالیتا ہے)

ثریّا۔ یہ کیا ہوگیا ہے آپ کو؟

حامد۔ چُپ... اب میں ضرور شادی کروں گا ـــــ اب میں ضرور شادی کروں گا۔
امّی جان کہاں ہیں؟

ثریّا۔ یہ دیوانہ پن ہے؟

حامد۔ اب میں ضرور شادی کروں گا۔ اب میں ضرور شادی کروں گا۔

ثریّا۔ یا وحشت!

حامد۔ آج اس کی سالگرہ ہے نا؟ (تاش کے پتے اٹھانا شروع کرتا ہے)

ثریّا۔ ہے تو سہی ـــ پر یہ آپ تاش کے پتے کیا اکھٹے کر رہے ہیں۔

حامد۔ ٹھہرو ابھی بتاتا ہوں (تاش کے پتے اکھٹے کرکے بکس میں ڈالتا ہے)
ثریا تم اسے کوئی تحفہ دینا چاہتی ہو نا؟

ثریّا۔ جی ہاں!

حامد۔ تو ایسا کرو ـــــ یہ تاش لے جاؤ ـــــ!

ثریّا۔ تاش؟

حامد۔ ہاں۔ تم یہ پیکٹ اسے تحفے کے طور پر دے دو اور پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔ میرے منہ کی طرف کیا دیکھتی ہو؟۔ کہہ جو دیا، اس سے بہتر اور تحفہ نہیں ہو سکتا... (گاتا ہے)

ہونٹوں پر اَن سُنے ترانے جھیل میں جیسے تارے
بانکی چتون میں وہ چھل بل جو کھیلے سو ہارے!!

چہرے پہ لالی سی جیسے کلیاں ندی کنارے
حسن کے اس اُمڈے دھارے میں ڈھونڈے کون سہارے

روح کا ناٹک

کردار

نمبر ایک	روح کا ناطق وجود
نمبر دو	روح کا جذباتی وجود
نمبر تین	روح کا سڑی وجود
بیوی نمبر ایک	بیوی کے متعلق نمبر ایک کا خیال
بیوی نمبر دو	بیوی کے متعلق نمبر دو کا خیال
رقاصہ نمبر ایک	رقاصہ کے متعلق نمبر ایک کا خیال
رقاصہ نمبر دو	رقاصہ کے متعلق نمبر دو کا خیال

اور ایک پورٹر

حضرات! یہ ڈرامہ جو تھوڑی دیر کے بعد آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے گا معمولی ڈرامہ نہیں۔ اس کا ایک ایک لفظ آپ کو غور سے سننا ہوگا تاکہ آپ اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ سکیں۔ ڈرامے کا نام ہے "روح کا ناٹک" اور یہ ڈرامہ روح کے اندر آدھے سیکنڈ کے عرصے میں کھیلا گیا ہے یوں تو ہر روز آپ کی ہماری روح کے اندر کئی ڈرامے کھیلے جاتے ہیں مگر آج تک کسی نے ان کو پیش نہیں کیا اور نہ کسی نے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ مگر یہ ڈرامے کیوں ہوتے ہیں۔

سائنسدانوں نے ثابت کیا ہے کہ روح مجموعہ ہے تین ذاتوں کا، جن کی

بنچر جدا جدا ہے۔ مثال کے طور پر اگر الف کو ایک آدمی فرض کر لیا جائے تو اس کے تین حصّے یہ ہوں گے الف نمبر ایک الف نمبر دو۔ الف نمبر تین ۔۔۔!
نمبر ایک روح کا وہ حصّہ ہے جو اچھائی اور برائی میں تمیز کرتا ہے۔ اسے ہم ضمیر کہتے ہیں ۔۔۔!
نمبر دو جذباتی وجود ہے جو راگ رنگ اور عیش چاہتا ہے۔
نمبر تین روح کا وہ حصہ ہے جو کبھی فنا نہیں ہوتا اور دنیوی جھگڑوں میں خود کو نہیں پھنساتا ۔۔۔ یہ مسافر ہے جو سدا سفر میں رہتا ہے اب آپ مجھ سے یہ پوچھیں گے کہ روح کے یہ تین حصّہ دار کہاں رہتے ہیں۔ میں بتلاتا ہوں پرانے زمانے میں لوگوں کا خیال تھا کہ روح یعنی آتما جگر میں رہتی ہے اس ڈرامے کا لکھنے والا کہتا ہے کہ روح ہمارے سینے کے اس حصے میں رہتی ہے جس پر ہاتھ مار کر ہم عام طور پر کہا کرتے ہیں "میری روح کو بڑا دکھ ہوتا ہے" یا "میری آتما کو سکھ اور چین مل گیا ہے ۔" سو ہم بھی فرض کر لیتے ہیں کہ ہماری روح یا آتما دل کے پاس رہتی ہے چنانچہ جب آپ یہ ڈرامہ دیکھیں تو اس بات کا خیال رکھیں کہ نمبر ایک اور نمبر دو۔ آپ کو کئی مرتبہ دل سے باتیں کرتے دکھائی دیں گے نمبر تین ڈرامے کے آخر میں بولے گا کیونکہ وہ نمبر ایک اور نمبر دو کے جھگڑوں میں دخل ہی نہیں دیا کرتا۔ لیجیے اب ڈرامہ شروع ہوتا ہے۔

منظر

پردہ اٹھتا ہے۔ اسٹیج پر ایک قد کے تین آدمی نظر آتے ہیں جذباتی وجود نے شوخ رنگ کے کپڑے پہن رکھے ہیں اس کے چہرے کے خدوخال ہی

سے جذباتی ہونے کا پتہ چلتا ہے۔۔ منطقی وجود کے لباس میں سنجیدگی ہے شکل وصورت سے خلاسفر معلوم ہوتا ہے... سرمدی وجود عقب میں سفری لباس پہنے کھڑا ہے جیسے پلیٹ فارم پر اپنی گاڑی کا انتظار کر رہا ہے اسے منطقی اور جذباتی وجود سے کوئی دلچسپی نہیں! اسٹیج کے ایک کونے میں بہت بڑا دل بنا ہے جو دھڑک رہا ہے دل کے ساتھ کئی تار لٹکے ہیں ان تاروں میں سے ایک کے ساتھ ٹیلیفون لگا ہے... جذباتی وجود نغمے میں چور اس ٹیلیفون کے پاس آتا ہے اور چونگا اٹھا کر بات کرتا ہے... نمبر دو، ہلو ... ہلو... ہلو... ارے بھئی سنتے ہو کہ نہیں۔ اتنے اونچے سروں میں چلا رہا ہوں اور تمہیں سنائی ہی نہیں دیتا کیا... ؟ تمہارے کانوں میں گونج پیدا ہو رہی ہے۔ ہونی چاہیئے اس لیے کہ تمہاری رگیں بالکل ڈھیلی پڑ گئی ہیں... تو اب سنو! برانڈی پیو... برانڈی... سمجھے؟......

نمبر ایک۔ پر یاد رہے کہ اس کے حلق میں یہ تیسری بوتل تم ہی انڈیل رہے ہو۔ تمہارا وقت تو یوں ہی کٹ جاتا ہے۔ پر شامت اس بیچارے دل کی آتی ہے۔ دیکھو تو کس زور سے دھڑک رہا ہے... ؟

نمبر دو۔ دھڑکنے دو... اس کا دل دھڑکنا ہی تو زندگی کی نشانی ہے۔ تم تو چاہتے ہو کہ اس پر غشی کی حالت طاری رہے اور ہمارے تیسرے ساتھی (سرمدی وجود کی طرف اشارہ کر کے) کے مانند بالکل گونگا ہو جائے.... واہ کیا کہنے ہیں اس زندگی کے۔

نمبر ایک۔ میں کہتا ہوں۔ اگر یہ اسی رفتار سے دھڑکتا رہا تو یوں چٹکیوں میں بند ہو جائے گا۔ پھر کبھی نہیں دھڑکے گا.... ؟

نمبر دو۔ نہ دھڑکے ... پھر کیا ہُوا۔ آخر اسے ایک روز خاموش ہونا ہی ہے ... ؟
نمبر ایک ۔ میں بھی تو یہی کہتا ہوں ۔ تم نے تو میرے ہی لفظ دہرائے ہیں ... ؟
نمبر دو ۔ کبھی کبھی تم عقل کی بات کہہ دیا کرتے ہو۔
نمبر ایک ۔ دیکھو جو کہنا ہو، زبانی کہو ... رگوں کو ہاتھ لگایا تو بہت بُرا ہوگا۔
میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ....
(جذباتی وجود جب بھی تاروں کو ہاتھ لگاتا ہے ان میں جھنکار پیدا ہوتی ہے۔
نمبر دو (غصے میں) کہہ چکے ہو کون کہہ چکا ہے ... اور کس حق کی بنا پر ... کون کہتا
ہے جو نوکروں کی طرح مجھ پر حکم چلائے ... میں شاعر ہوں ... عشق و محبت
کی آواز ... میرے بغیر یہ دنیا ... مٹی کا ایک ڈھیر ہوتی ... ایک مرگھٹ
... عشق و محبت نہ ہو ۔ تو ہر شے بے جان ہے ... مردہ ہے ....
نمبر ایک ۔ تم بکواس کرتے ہو۔
نمبر دو ۔ جو کچھ میں کہتا ہوں بالکل درست ہے ... ہاں تو یہ بتاؤ۔ اگر ہم شراب
پیتے ہیں ۔ تو اس میں قصور کس کا ہے ؟
نمبر ایک (طنزیہ انداز میں) تمہارا تو ہونے سے رہا ۔ جو ہر وقت شراب شراب
کی رٹ لگائے رکھتا ہے ۔
نمبر دو ۔ اور اس رٹ لگانے کے باعث پر بھی جناب نے غور فرمایا۔ کیا یہ آپ کی
محبت کا نتیجہ نہیں جس میں ہردم گلا گھونٹ لینے کو جی چاہتا ہے ۔
نمبر ایک ۔ بھئی دیکھو ۔ ذرا انصاف سے کام لو ... ایمان سے کہو ۔ اس بیچارے
دل کی بدبختیوں کا موجب میں ہوں ... یا تم ... یقیناً تم ہو ... تم جذباتی
انسان ... کبھی سوچا بھی ہے کہ تم کیا ہو ... لو مجھ سے سنو ... تم خود غرض رند

ہو... ایک تباہ شدہ انسان ہو... نہ تم نے کبھی مطالعہ میں دلچسپی لی....
نہ تم نے کبھی عقل کا کام کرنے کی کوشش کی۔ خودداری اور اخلاق کے
پیچھے تم لٹھ لیے پھرتے ہو....

نمبر دو۔ تم دوسروں کی کھینچی ہوئی لکیروں پر چلنے والے نامحرم ہو... ایک
خشک کتابی کیڑے...

نمبر ایک۔ میں تم سے نفرت کرتا ہوں۔

نمبر دو۔ میں بھی تم کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہوں۔

(جذبہ باقی وجود زور سے دل کی تاروں کو چھیڑتا ہے۔ زور کی جھنکار
پیدا ہوتی ہے)

نمبر ایک۔ پرے ہٹ جاؤ۔ خبردار جو میری رگوں کو پھر چھیڑا...

نمبر دو۔ تم بیچ میں ٹرانا کیا شروع کر دیتے ہو۔ یہ رگیں جیسی تمہاری ہیں میری بھی ہیں
ان کو چھیڑنے سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے۔ تو کیا مجھے نہیں ہوتی... اور
جب تمہاری مہربانی سے میری رگیں بے حس ہو جاتی ہیں تو کیا میں گدھے کی
مانند بیوقوف نہیں ہو جاتا۔ اس وقت تجھ میں اور مجھ میں فرق ہی کیا رہتا ہے
میں انہیں چھیڑوں گا... جب جی چاہے چھیڑوں گا... ہر وقت چھیڑوں گا۔
رگیں تنی رہیں تو مزا ہے... اس طرح وہ رگ گویا طنبورہ بن جاتی ہیں جن پر
میں آزادی اور محبت کے نغمے الاپ سکتا ہوں۔

(دل کے تاروں کو چھیڑتا ہے۔ دل زیادہ تیزی سے دھڑکنا شروع کرتا ہے)

نمبر دو (دل سے مخاطب ہو کر) پی، پی، اور خوب پی، جی بھر کے پی...

نمبر ایک۔ ایسا شربت جو تیرے سینے کی آگ ٹھنڈی کرے۔

نمبر دو۔ ایسی شراب جو پگلی ہوئی اگنی ہو جو تیرے لہو کے ہر قطرے کو ایک لپکتا ہوا شعلہ بنا دے۔

نمبر ایک۔ نہیں نہیں، ہرگز نہیں۔ شراب نہیں، شربت، کیا کہا... شربت نہیں رہا... ختم ہو گیا... تو سوچتا کیا ہے، جا بھاگ کے عطار کی دکان سے لے آ... (دونوں وجود کچھ دیر تک اسٹیج پر ادھر ادھر ٹہلتے پھرتے ہیں)

نمبر ایک۔ اب جوش ٹھنڈا ہوا۔

نمبر دو۔ تم ہو کون پوچھنے والے؟

نمبر ایک۔ کیا نظر نہیں آتا؟

(دونوں وجود پھر ادھر ادھر ٹہلنے لگ جاتے ہیں۔ سرمدی وجود کے پاس جا کر دونوں ایک دم رک جاتے ہیں ——)

نمبر ایک... یہ کون ہے؟

نمبر دو۔ نمبر تین... تمہارا خاموش بھائی... ہمیشہ کی طرح چپ چاپ سو رہا ہے... اگر اسے تنگ کیا یا ستایا تو یاد رکھنا۔ تمہارے حق میں اچھا ثابت نہ ہوگا۔ ... اس کو چھوڑو... تم یہ بتاؤ کہ اس عورت میں تم نے کیا دیکھا جو یوں بُری طرح لٹو ہو گئے۔ اس کی ہوشیاری اور چالاکی کو تم نے پسند کیا۔ یہی ہے نا... پر اتنی سی بات کے لیے اپنی بیوی اور بچوں کو ٹھکرا دینا کہاں کی عقلمندی ہے ... معاف کرنا دوست تمہارا یہ فعل اچھا نہیں۔ یہ جُدا بات ہے کہ ہم جنگلی اور وحشی آدمی بن جائیں اور ہر روز ایک نئی عورت اپنے گھر میں بیاہے چلے جائیں جسم پر غور کریں اور ایک خوب صورت... اور غیر فانی سندر کی خوب صورت عمارت پہ غور ہی نہ کریں... میرا مطلب روح سے ہے سمجھے؟

ہوں، تمہارے عقیدوں اور تمہارے خیالات کی کسے پرواہ ہے جب کہ وہ حسین ہے ... وہ حسین ہے اور حسن کے سامنے ایسی بیہودہ منطق نہیں چل سکتی ....

نمبر ایک ۔ تم جیسے وحشی انسان کے آگے منطق چلانا اور بھینس کے آگے بین بجانا ایک ہی بات ہے ... لیکن آدمی ...

نمبر دو ۔ تو یہ کہیے احمق اور پاگل سے واسطہ پڑا ہے ... تم ایسے خشک مزاج ساتھی کی معیت میں مجھے کس قدر کوفت اٹھانا پڑتی ہے ۔

نمبر ایک ۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے ۔ پہلے تم ایسی باتیں نہیں کرتے تھے ۔

نمبر دو ۔ ٹھیک کہتے ہو .. جب ہم دونوں ایک ساتھ مل کر کام کرتے تھے تو مجھے تم سے کوئی شکایت نہ تھی بلکہ میں تم کو اچھا سمجھتا تھا ۔ میں تمہاری پرانی خدمات ہرگز نہیں بھول سکتا ۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں اینٹے کی محبت میں گھلا جا رہا تھا تو تم نے میری کافی مدد کی تھی اس محتاط اور ہوشیار لڑکی کو پھانسنے اور اس کے ماں باپ کو آمادہ کرنے میں تم نے واقعی بہت کام کیا پر اب کچھ عرصے سے تم کم عقل ہو گئے ہو ۔ زنگ لگے استرے کی مانند کند ہو گئے ہو ۔

نمبر ایک ۔ اس نوازش کا شکریہ ... میرا احساس اگرچہ تیز نہیں لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ یہ رائے مرتب کرنے میں تمہیں شراب نے کافی مدد دی ہے ۔

نمبر دو ۔ بکواس بند کرو اور اس کے حسن کا ذکر چھیڑو ... وہ کتنی سندر ہے کتنی خوبصورت ہے تم ہمیشہ اس کے حسن کو بھول جاتے ہو اس کی نزاکت پر ہمیشہ تمہاری آنکھیں بند رہی ہیں ... میں خوب جانتا ہوں کہ وہ ایک معمولی ناچنے والی ہے مگر اس چھوٹی سی بات سے اس کے حسن میں تو فرق نہیں آتا ۔ اس کی سندرتا تو کم نہیں ہوتی ... ادھر آؤ ، میں تمہیں یہ پری دکھاؤں ... آہ میری جان آ ، ادھر

اسی انداز سے گا، جیسے تو کل پرسوں اور پہلے کئی بار گا چکی ہے۔ گا آتا گا کہ میرا ہر ذرّہ ایک گونجتا ہوا سُر بن جائے۔

(رقاصہ نمبر ۲ چھم چھم کرتی اسٹیج پر آتی ہے اور دل کی دھڑکنوں کی تال پر ناچنا اور گانا شروع کر دیتی ہے)

گیت

بانکے گرو، کون ہو تم؟ — کون ہو تم؟ — کون ہو تم؟ — بانکے گرو کون ہو تم؟

تم تھے؟ — کیا یہ — تم تھے کل شب، میرے پریم دوارے میں

کیا جانو، کون آیا تھا، میرے دل کے اندھیارے میں

شب کی ڈراؤنی سائیں سائیں اور وہ ایک ٹیڑھی پرچھائیں، کون ہو تم، بانکے گرو

کون ہو تم، کون ہو تم کون ہو تم — بانکے گرو کون ہو تم؟

اس کے گرم لبوں پر میرے شیریں بوسوں کی بوچھاڑ یا

اس کے دھڑکتے دل پر میری مہکی زلفوں کے انبار

ہر جانب کلیاں ہیں کلیاں، کالی رات اندھیری گلیاں۔ کون ہو تم؟ بانکے گرو کون ہو تم، کون ہو تم۔ کون ہو تم، بانکے گرو کون ہو تم؟

کون گرا تھا گود میں میری بے سُدھ، بے پرواہ، بے جان، کس کو لگا کر سینے سے میں نے پایا دو جگ کا گیان۔

کیا تم ہو او جانے والے، میرے ہردے کے اجیالے، کون ہو تم، بانکے گرو کون ہو تم، کون ہو تم، کون ہو تم؟ بانکے گرو کون ہو تم....

نمبر دو دمسحور ہو کر مزا آ گیا۔ طبیعت شاد ہو گئی۔ اس نمبر ۱، اس گیت کے آگے دنیا ہیچ ہے۔ یہ تیری گول گول باہیں، یہ تیرے نازک نازک پیر، اس بھری

دنیا میں ہے کوئی ایسا نرم قالین، جو ان نازک پیروں کے لیے اپنا سینہ پیش کر سکے .... آ میری جان، میرے پاس آ، مجھ پر ناچ، میرے اندر ناچ اور سدا ناچتی رہ کہ تیرے سفید سفید ٹخنوں میں بندھے ہوئے گھنگھروؤں کی جھنجھناہٹ میں سارے ہنگامے گم ہو جائیں۔ جھولا جھول۔ میرے پریم کا جھولا جھول اور سدا جھومتی رہ۔ آ میرے پاس آ، کہ میں تیرے ان مخملیں پیروں پر اپنا سر رکھ کر سکھ کی نیند سو جاؤں....

نمبر ایک۔ یہ دیوانگی ہے، سراسر جہالت ہے... اسے چھوڑ دو، دُور، دفعان ہونے دو۔ یہ تمہاری نظر کا دھوکا ہے، فریب ہے، وہ ایسی نہیں ہے جیسی کہ تم سمجھ رہے ہو، تم غازہ لگے گالوں اور مصنوعی بالوں سے پیار کرتے ہو... خدا جھوٹ نہ بلوائے تو تمہاری اس پری کی عمر چالیس برس سے ایک دن بھی کم نہیں۔ لات مار کر اسے اپنے سے الگ کر دو، تمہاری آنکھیں دھوکہ کھا رہی ہیں، آؤ اگر حقیقت دیکھنا ہو تو ادھر آؤ۔ میں تمہیں اس پری کی اصلی شکل دکھاؤں۔

(رقاصہ نمبر ایک، ایک بدصورت عورت اسٹیج پر نمودار ہوتی ہے)

دیکھ لیا، کہاں گئے اس کے وہ نازک پیر۔ کہاں گئے اس کے کالی کالی زلفوں کے وہ پیچ و خم۔ کہاں گئی اس کی وہ تیزی و طراری، کہاں گئے اس کے گلے کے وہ میٹھے میٹھے بول... (رقاصہ سے) اسے دانتوں کی یہ تاروں ایسی مصنوعی لڑیاں نکال دے، اب گا... اب گا....

(نمبر ا۔ رقاصہ نمبر ا کے منہ سے دانت نکال دیتا، سر کے بال اتار دیتا ہے وہ گانا شروع کر دیتی ہے۔ وہی گیت مگر اکھڑے ہوئے سروں میں، ناچتی

نیپ مگر بے تال)

نمبر ۲ - نہیں نہیں - یہ حقیقت ہرگز نہیں ہو سکتی - ہرگز نہیں ہو سکتی - بھاگ جا چڑیل، میری نظروں سے دُور ہو جا....

(رقاصہ نمبر ۲ کو دھکا دے کر باہر نکالنا چاہتا ہے)

نمبر ایک - ہیں ہیں یہ کیا کرتے ہو۔ میں غلطی کا احساس ہو گیا۔ تو یوں کہو نا کہ تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔

نمبر دو - بکواس نہیں کرو - تم نے ضرور کوئی چلاکی کی ہے۔

نمبر ایک - نہیں تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ عورت جس کی میلی جھولی میں تم اپنا دل پھینک رہے ہو اس عورت کی جوتیاں صاف کرنے کے بھی قابل نہیں جسے تم دھوکا دے کر ٹھکرانا چاہتے ہو تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ آخر اس کی کوئی وجہ بھی تو ہو - دیکھو اس بیچاری کا کیا حال ہو رہا ہے۔ یہ دکھ درد کیا۔ وہ صرف اس لیے جھیل رہی ہے کہ وہ نیک ہے پاک ہے - تم سے اس کا سلوک ہمیشہ اچھا رہا ہے - تمہارے بال بچے کو پال پوس کر اس نے اتنا بڑا کیا ہے شرم کرو، کچھ تو شرم کرو - مانا کہ اس کے گلے میں وہ سُر نہیں جو تمہاری اس ناچنے والی کے گلے میں اچھلتے ہیں - پر سُنو - اگر تمہارے کان پاک اور صاف آواز سننے کے لیے بند نہیں تو یہ میٹھی میٹھی لوری سُنو وہ تمہارے بچے کو سلانے کی خاطر دے رہی ہے - بیچاری نے تین لمبی راتیں یہی گیت گاتے آنکھوں میں کاٹی ہیں تمہارے انتظار میں، وہ تڑپتی، بلکتی اور روتی رہی ہے ... لو سنو -

(بیوی نمبر ایک نمودار ہوتی ہے گود میں بچہ ہے اسے لوری دے رہی ہے)

لوری

سو جا میرے ننھے سو جا

یہ تیرے اشکوں کی لڑیاں　　　بیت رہی ہیں دکھ کی گھڑیاں
سو جا میرے ننھے سو جا
تیرے باپو آجائیں گے　　　لکڑی کا گھوڑا لائیں گے
سو جا، سو جا، سو جا میرے ننھے سو جا!

بیوی نمبر ایک اور رقاصہ نمبر دو آپس میں جھپٹ پڑتی ہیں دونوں وحشی بلیوں کی طرح ایک دوسرے سے لڑتی ہیں تھوڑی دیر کے بعد جذباتی اور منطقی وجود بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ دونوں میں لڑائی شروع ہو جاتی ہے اتنا شور بلند ہوتا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ جذباتی وجود رقاصہ کی طرف داری کرتا ہے اور منطقی وجود بیوی کا ساتھ دیتا ہے۔ دل بیچارہ زور زور سے دھڑکتا رہتا ہے۔ لڑائی کے دوران جب دل کے تاروں پر کسی کا ہاتھ زور سے پڑتا ہے تو وہ ایک لحظے کے لیے خاموش ہو جاتا ہے....)

نمبر دو۔ بس بس۔ اب مذاق حد سے گذر چکا۔ یہ سب جھوٹ ہے یہ بیہودہ بکواس ہے۔
(بیوی نمبر ایک کو دھوکا دے کر اسٹیج کی طرف کر دیتا ہے)

سجاجا، یہاں سے دور ہو جا۔ تو کسی ادنیٰ ناٹک کی بھونڈی ہیروئن ہے میری بیوی ایسی نہیں جیسا کہ تم ظاہر کرتے ہو۔ میں اس کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ میری زندگی کے پیالے میں وہ زہر کی ایک موٹی بوند ہے وہ شعریت سے خالی ہے۔ مسرّت اور جذبات اس میں ذرہ بھر موجود نہیں وہ کھردری ہے۔ بے لطف، بالکل بے لطف! آؤ میں تمہیں اس کا اصلی روپ دکھاؤں تو سنو، اس کی باتیں!

(اسٹیج پر بیوی نمبر ۲ ایک چڑچڑے مزاج کی عورت نمودار ہوتی ہے)

بیوی نمبر ۲ (چڑچڑے پن کی حالت میں) ... ایسی زندگی پر ... اگر میرے ماں باپ کو معلوم ہوتا کہ یہ وحشی میرے ساتھ ایسا سلوک کرے گا تو کبھی اس کے پلے نہ باندھتے ۔ میں کہتی ہوں کہ ایسے شرابی کو دو چار دھکے مار کر باہر کیوں نہیں نکال دیتے ۔ دارو پیتے ہیں جس کی اوندھی کھوپڑی میں حرکت ہی پیدا نہیں ہوتی ایسے خصم کو کیا کہوں جو میری جھولی بچوں سے بھر کر نگوڑی ان عورتوں کے پیچھے مارا مارا پھرتا ہے جن کو اولاد ایک آنکھ نہیں بھاتی ۔ یہاں گھر میں ایک پل ٹکنا میاں صاحب کو محال ہوتا ہے اور اپنی ان ہونی سوتنوں کے کوٹھوں پر رت جگے ہوتے ہیں مجرے سننے جاتے ہیں ۔ نگوڑی بلائیں چڑیلیں نہ رہیں اس دنیا کے تختے پر ... کسی دن یہ باہر سے کسی موئی ویشیا سے لڑ بھڑ کر آئے گا اور مجھے زہر دے دے گا ۔ بچوں کا گلا گھونٹ دے گا ۔ نہ خدا کا خوف، نہ بندوں کا ڈر ... یوں تو اللہ کے فضل سے بھُس سے بھرا ہے پر فلسفہ ضرور بگھاریں گے ۔ میاں صاحب آزادی کے بڑے پرستار ہیں ہر وقت آزادی آزادی کی رٹ لگی رہتی ہے کہ ان کے ظلم و ستم کی چھری اس سان پر اور تیز ہو جائے ۔ تو ایسا کیوں نہ کروں کہ انہیں آج بالکل ہی آزاد کر دوں ۔

نمبر ۲ ۔ ٹھیک ... بالکل ٹھیک ... یہی ڈرامے کی اصلی ہیروئن ۔ اسی کے باعث میرا اور اس رقاصہ کا رشتہ مضبوط ہوا ہے جس نے میری زندگی میں افسوں پھونک دیا ہے آ پیاری ادھر آ ۔ ایک بار پھر نغمہ بار سروں کا چھڑکاؤ کر دے ۔ ایک بار پھر ترنم تارے بکھیر دے ... ایک بار پھر ....

(جذبہ باقی وجود رقاصہ نمبر ۲ کو بلاتا ہے وہ پہلے کی طرح ناچنا اور ـــ

—— گانا شروع کرتی ہے)

بیوی نمبر ایک (زمین پر زور زور سے پاؤں مار کر) بند کرو۔ اس ناچ کو جاؤ یہاں سے چلی جاؤ۔ دیکھو میں تم سے التجا کرتی ہوں۔ یہاں سے چلی جاؤ تمہارا کوئی حق نہیں ہے۔

نمبر ایک۔ ٹھیک کہتی ہو۔ اس کا کوئی حق نہیں۔

بیوی نمبر ایک۔ جب تم محبت نہیں کرتیں جب تم چھوٹی سے چھوٹی قربانی نہیں کر سکتیں جب تم اپنی زندگی میں ایسے کئی آدمیوں کی آشنا رہی ہے تو بتاؤ تم میرا حق کیسے چھین سکتی ہو۔ اگر تمہارے پہلو میں دل ابھی تک مردہ نہیں ہوا تو اسے چھوڑ دو۔ مجھے اس کی ضرورت ہے۔ مجھے اس کی محبت اس کی مدد کی تم سے کہیں زیادہ ضرورت ہے۔

رقاصہ نمبر ۲ (قطع کلامی کرتے ہوئے) یہ تمام باتیں میں اتنی بار لوگوں سے سن چکی ہوں کہ اب ان کا دل پر اثر نہیں ہوتا۔ چلو ہٹو میرے راستے سے۔

بیوی نمبر ایک۔ دھکے کیوں دیتی ہے جا یہاں سے دفع ہو جا۔

رقاصہ نمبر ۲۔ اچھا اب خیر سے تم مجھے دھمکاتے بھی لگیں میں تمہاری دلیل تھوڑی ہوں، جو ان گیدڑ بھبکیوں میں آجاؤں۔ تم مجھ سے جلتی ہو اس لیے کہ میں خوب صورت ہوں لوگ میری طرف للچائی نظروں سے دیکھتے ہیں میرے منہ سے بول یوں اڑتے ہیں جیسے شمپین بوتلوں کے ڈاٹ۔

نمبر ۲۔ شاباش، میری جان شاباش!

بیوی نمبر ایک۔ شریف بہنوں بیٹیوں کے منہ آتے تجھے شرم نہیں آتی۔ بازار میں بکنے والی لونڈی!

رقاصہ نمبر دو۔ بازار میں بکنے والی لونڈی کی بھی ایک ہی کہی ... اور بانو صاحبہ آپ
کون ہیں جب سرکار نے ان سے شادی کی تھی تو بتائیے کیا اپنے کو بیچا نہیں
تھا... اپنے لفظ فوراً واپس لو۔ یقین ہو کہ نہیں ورنہ....

بیوی نمبر ایک۔ ورنہ کیا... آنکھیں تو یوں دکھا رہی ہے جیسے کھا ہی جائے گی...
جا سیدھے تن چلی جا... ورنہ چٹیا پکڑ کر باہر نکال دوں گی....

(بیوی نمبر ایک اور رقاصہ نمبر ۲ آپس میں جھپٹ پڑتی ہیں۔ بلیوں کی طرح ایک دوسری
سے لڑتی ہیں۔ اس لڑائی میں تھوڑی دیر کے بعد جذباتی اور منطقی وجود بھی شامل
ہو جاتے ہیں۔ دونوں میں لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔ اتنا شور بلند ہوتا ہے
کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ جذباتی وجود رقاصہ کی طرف داری
کرتا ہے اور منطقی وجود بیوی کا ساتھ دیتا ہے۔ دل بیچارہ زور زور سے
دھڑکتا رہتا ہے۔ لڑائی کے دوران میں جب دل کے تاروں پر کسی کا
ہاتھ زور سے پڑتا ہے تو وہ ایک... لمحے کے لیے خاموش سا ہو جاتا
ہے لڑائی کے دوران میں کچھ اس طرح کی گفتگو جاری رہتی ہے۔)

رقاصہ نمبر دو۔ بیگم صاحبہ تشریف لے جائیے!

بیوی نمبر ایک۔ چل ہٹ موئی گرہ کٹ، میرے بچوں کا صبر پڑے تجھ چڑیل پر...
کھڑی کی کھڑی زمین میں سما جائے... تجھ پر کڑکتی بجلی گرے۔ نہ رہے
تو اس دنیا کے تختے پر۔

رقاصہ نمبر دو۔ دیکھ منہ سنبھال کے بول۔ یہ تیرے سر کا ایک ایک بال نوچ ڈالوں گی۔
ذرا چوں کی تو گدی سے زبان کھینچ لوں گی تکلے سے دیدے نکلوا دوں گی۔

نمبر دو۔ شاباش۔ شاباش!

بیوی نمبر ایک۔ ہے شرط کہ تیری ساری اکڑ ابھی نکال دُوں۔ پر تجھے تو ہاتھ لگاتے مجھے گھن آتی ہے۔ چل ہٹ موٹی گندی۔ کیچڑ کی مینڈکی۔

(رقاصہ غصے میں آکر بیوی کے منہ پر زور سے چانٹا مارتی ہے بیوی چیختی ہے)

نمبر دو۔ اے عورت خبردار۔ جو تو نے اُسے ہاتھ لگایا۔

نمبر ایک۔ تمہیں شرم نہیں آتی اپنی نیک بیوی کی اس بازاری عورت کے سامنے توہین کر رہے ہو۔۔۔ تم یقیناً پاگل ہو گئے ہو۔

نمبر دو۔ تم بیچ میں دخل دینے والے کون ہو؟

(رقاصہ قہقہہ لگاتی ہے)

نمبر ایک۔ میں جو نیک و بد کو اچھی طرح سمجھتا ہوں تمہارا دماغ چل گیا ہے یہ ذلیل عورت تمہاری نیک بیوی پر دست درازی کر رہی ہے اور تم کھڑے تماشہ دیکھ رہے ہو لعنت ہو تم پر۔۔۔

نمبر دو۔ بکواس مت کرو۔

یہ کہہ کر جذباتی وجود زور سے منطقی وجود کے منہ پر تھپیڑ مارتا ہے عقبی موسیقی تیز تر ہو جاتی ہے رقاصہ اور بیوی ایک دوسری کے بال نوچتی اور چیختی رہتی ہیں۔ جذباتی اور منطقی وجود اب ایک دوسرے سے بہت بری طرح گتھ جاتے ہیں۔ آخر میں جذباتی وجود منطقی وجود کا گلا پکڑ لیتا ہے اور اسے مار ڈالتا ہے۔ منطقی وجود کے گلے سے خرخراہٹ کی بھیانک آواز نکلتی ہے)

نمبر دو۔ مر گیا۔ ناک میں دم کر رکھا تھا، نابکار نے، چلو اچھا ہوا، قصہ پاک ہوا۔ روز روز کا جھگڑا ختم ہوا ـــــ اب میں آزاد ہوں اپنی محبوبہ سے محبت

کرنے کے لیے آزاد ہوں۔ آ۔ میری ملکہ آ۔ میرے مندر کی دیوی آ۔ پیاری
اب تو ساری کی ساری میری ہے، ہمیشہ کے لیے میری ہے۔ آ۔ میری زندگی
میری مسرت، میری محبت آ... میرے پاس آ۔

رقاصہ نمبر ۲۔ نہیں میرے بیوقوف عاشق نہیں۔ میں تیرے پاس نہیں آ سکتی یہ تو سب مذاق تھا۔ پہلے دام پھر کلام... تم میرے بازار میں عشق کا کھوٹا سکہ چلانا چاہتے ہو مجھے محبت کی ترازو میں تولنا چاہتے ہو تم بیوقوف ہو تمہارے پاس دولت نہیں رہی۔ میرے پاس ادائیں نہیں رہیں۔ نہیں... نہیں، میں تمہاری نہیں ہو سکتی۔ میرے بھولے بھالے عاشق یہ سب مذاق تھا۔

(رقاصہ چلی جاتی ہے اس کے پیروں میں بندھے ہوئے
گھنگھروں کی جھنجھناہٹ چند لمحات تک سنائی دیتی ہے)

نمبر دو۔ میرے اللہ۔ میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں۔

(دُور سے ایسی موسیقی کے سُر سنائی دیتے ہیں جو بڑے اضطراب
افزا ہیں بیوی نمبر ایک نمودار ہوتی ہے وہی لوری گاتی ہوئی)

نمبر دو۔ سب راگ و رنگ غم کی داستان بن گئے تیرے عشق کا افسانہ بن گیا۔ باقی کیا رہا، راکھ کا ایک ڈھیر، تو اب تباہی کے کنارے پہنچ چکا ہے جلدی کر جلدی کر۔ اس دکھ سے نجات حاصل کرنے کے لیے صرف ایک ہی راستہ باقی ہے... خودکشی... خود... اٹھ پستول داہنے ہاتھ کی جیب میں ہے مان نے کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ بس چوتھی اور پانچویں پسلی کے درمیان رکھ کر لبلبی دبا دے....

(جذباتی وجود پستول نکالتا ہے اور پسلیوں کے پاس رکھ کر اس کی
لبلبی دبا دیتا ہے۔ زور کا دھماکا ہوتا ہے۔ دل کے ایک لحظے
کے لیے اچھلتا ہے اور خاموش ہو جاتا ہے اُس کے تاروں پر
لہو بہنے لگتا ہے۔ جذباتی وجود ٹھنڈا ہو جاتا ہے چند لمحات
کے لیے قبر کی سی خاموشی طاری رہتی ہے۔ عقب میں سرمدی
وجود جو کر بیگ پر سر رکھے سو رہا ہے۔ جمائی لے کر اٹھتا ہے
اور ایک پورٹر ہاتھ میں لالٹین لیے آتا ہے۔)

نمبر تین (جمائی لیتا ہے) کون ہے بھئی؟ کیوں بے آرام کر رہے ہو؟

پورٹر۔ میں پورٹر ہوں حضور ... آتم نگر آ گیا۔ آپ کو گاڑی اس اسٹیشن سے
بدلنا ہے۔

نمبر تین۔ ارے، آتم نگر، آ گیا۔ چلو جلدی کرو۔ میرا اسباب اٹھاؤ۔ مجھے
گاڑی اس اسٹیشن سے بدلنی تھی ...“

(پردہ گرتا ہے)

اُس کا رامُو

گوپال کا کمرہ، دروازے پر دستک ہوتی ہے دستک
کے بعد کتاب بند کرنے کی آواز سنائی دیتی ہے)

گوپال ۔ کون ہے ؟ — چلیے آؤ ۔ دروازہ کھلا ہے !

(دروازہ کھلتا ہے)

بندو (ایک جوان لڑکی دروازہ کھول کر داخل ہوتی ہے وہ ہچکچا کر کہتی ہے)
اندر آجاؤں بابوجی ؟

گوپال ۔ اندر آ بھی گئیں اور پوچھ بھی رہی ہو۔ مگر تم ہو کون ؟

بندو ۔ میں — میں — بندو ہوں ... ہم ریلوائی والے جو بڑے صاحب ہیں
ان کے ہاں آیا کا کام کرتی ہوں ۔ رہتی ہوں ۔ یہاں آپ کے پڑوس میں
یہ جو چودہ نمبر کی کوٹھی ہے نا اس میں ۔ اکلی ۔ میرا کوئی بھی نہیں ... میں ....

گوپال ۔ اپنا شجرہ تو پھر کبھی سنانا ۔ یہ کہو چاہتی کیا ہو ... اگر کچھ مانگنے آئی ہو
تو افسوس ہے کہ تمہیں کچھ نہ دے سکوں گا ۔ میرے گھر سے ابھی تک خرچ
نہیں آیا ۔ کالج کی فیس بھی ابھی تک ادا نہیں کی ———

بندو ۔ بابوجی ۔ میں بھیک مانگنے نہیں آئی میں کیا بھکارن دکھتی ہوں ۔ میں
تو ایک پتر لکھانے آئی تھی ۔ لکھ دو گے ؟

گوپال ۔ لکھ دوں گا ۔ لکھ دوں گا ۔ لکھنے اور پڑھنے کے علاوہ اور مجھے کام ہی کیا ہے ۔

بندو۔ آپ بڑے اچھے ہو بابو جی۔ آپ بڑے اچھے ہو۔ آپ بتہ لکھ دو۔ ٹکس میں لے لوں گی۔

گوپال ۔ہاں۔ ہاں ٹکٹ تمہیں ہی لینا پڑے گا۔ میں نے ڈاک خانہ تو یہاں کھول نہیں رکھا۔ بیٹھ جاؤ۔ بولو کیا لکھوانا ہے۔

(پیڈ کھولنے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ ایک کاغذ پھاڑا جاتا ہے)

گوپال ... ہوں ... تو کیا لکھوں۔

بندو۔ لکھیئے!

گوپال ۔ہوں۔

بندو۔ لکھیئے !

گوپال ۔ ہوں... چلو منہ سے کچھ بولو جو دل میں آئے گھسیٹ دوں۔

بندو۔ لکھیئے!

گوپال ۔لکھائیے۔

بندو۔ لکھیئے.... ازطرف خاص شہر بمبئی ... گلی چوتھی ... بیر کھان ....
سیمنٹ کی چال ۔ چودہ نمبر کی کھولی .... دوسرا مالا ... اس کے
آگے میرا نام لکھ دو ———

گوپال ۔کیا ہے تمہارا نام ؟

بندو ۔ بندو !

گوپال ۔ لکھ دیا... اب

بندو۔ لکھیئے ——— میرے پیارے ، میرے پیارے
امو ! ———

گوپال (لکھتے ہوئے) میرے پیارے، میرے دل سے پیارے رامو! لکھ لیا، آگے۔

بندو۔ تو نے اتنے دنوں سے اپنی بندو کی سُدھ کیوں نہیں لی۔ وہ برہ کی ماری تارے گن گن کر راتیں کاٹتی ہے ہر سمے تیرا ہی دھیان ہے۔ وہ سوتی جاگتی اٹھتی بیٹھتی تیرے ہی نام کی مالا جپتی ہے۔ اُس کا تن من تیری یاد میں پڑا رہتا ہے تو کب آئے گا رامو؟ میرے پیتے ہوئے بروئے کو اپنے پریم سے کب ٹھنڈک پہنچائے گا۔ تو آئے یا نہ آئے پر تیری بندو، سدا تیری ہی بندو رہے گی ــــ وہ تیری ہے ساری کی ساری تیری۔

گوپال۔ پھر تو ..... یہ .....

بندو۔ بس ہو لیا۔ نیچے یہ بول لکھ دیجئے۔

کب آؤ گے پیتم پیارے ..... الخ

... بس ... پر آپ نے تو کچھ لکھا ہی نہیں ... یہ بول بڑے ہیں کیا ...
میں نے کل ہی یاد کیے ہیں۔ چھوٹی میم صاحب گا رہی تھیں۔

گوپال۔ میں پوچھتا ہوں، یہ رامو کون ہے؟

بندو۔ رامو... (حیا آلود ہنسی) رامو... آپ کیوں پوچھتے ہیں.. میں نے سب کچھ تو ابھی ابھی کہہ دیا ہے۔

گوپال۔ تو یہ رامو تیرا "وہ"... تجھ سے پریم وریم کرتا ہو گا۔

بندو (حیا آلود ہنسی کے ساتھ) آپ تو ہنسی کرتے ہو بابو جی!

گوپال۔ پریم کرنا پاپ نہیں۔ جرم نہیں۔ پھر شرماتی کیوں ہو؟ اس رامو سے تمہارا پریم کب ہوا؟

بندو۔ پچھلے ساون میں۔۔۔ جب بڑی میم صاحب کا بیاہ ہوا۔۔۔ لاؤ میرا پتر۔۔۔ میں نے آپ کو بہت تکلیف دی۔۔۔ اگر آپ کہیں تو میں ہر روز اس کمرے میں جھاڑو دے جایا کروں۔

گوپال۔ نہیں نہیں۔۔۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔۔۔ یہ کوئی تکلیف نہیں ہے۔۔۔ لو اپنا خط۔۔۔۔ جے رام جی کی۔۔۔۔ اس کا رامو۔

(کاغذ کی کھٹ کھٹاہٹ سنائی دیتی ہے)

دوسرے دن

گوپال۔ ساری بات میں تمہیں سنا چکا ہوں کہ کس طرح وہ آئی اور کس طرح اپنے عاشق کے نام خط لکھوا کے لے گئی۔ اب تم اس کا کیا نتیجہ نکالتے ہو؟

حامد۔ یہ کون سا ایسا معمہ ہے جو دماغ پر زور دیا جائے۔ سیدھی بات ہے کہ دو انسان ایک دوسرے سے پریم کرتے ہیں اور بس۔۔۔۔

گوپال۔ یہ پریم کس طرح ہو جاتا ہے؟

حامد۔ کس طرح؟ پکنے پر پھل میٹھا کیوں ہو جاتا ہے؟ آگ پر دودھ اُبلنے کیوں لگتا ہے؟ بلغم کے نیچے پیدا ہوتے ہی تیرنے کیوں لگ جاتے ہیں؟ تمہاری بندو اور اس کے رامو میں پریم پیدا ہونے کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دونوں کے پہلو میں دل ہے جو دھڑکتا ہے باقی سب کچھ جوانی دکھا دیتی ہے۔

گوپال۔ ٹھیک ہے سب جوانی ہی سکھاتی ہے اور کوئی چیز نہیں سکھا سکتی وہ بالکل خوب صورت نہیں۔ بھدی سی شکل، کالا رنگ، میلے دانت، ٹھگنا سے

کمبل جیسے بال، موٹے موٹے ہونٹ، ٹھنگنی . . . مگر جوان ضرور ہے۔
اور معلوم ہوتا ہے کہ جوانی اس پر نئی نئی آئی ہے۔

حامد۔ خدا کرے تمہاری بندو کا راموا اچھا آدمی ہو اور اس کا پریم جھوٹا نہ ہو۔ مجھے ایسے معاملوں پر اپنے بھائیوں پر اعتبار بالکل نہیں۔ یہ لوگ مسافروں کی طرح اس پیڑ کو بھول جاتے ہیں جس کی چھاؤں میں انہیں آرام ملتا ہے۔

(فیڈ آؤٹ)

(اس گھر کا کمرہ جہاں بندو آیا کا کام کرتی ہے)

بندو۔ چھوٹی میم صاحب، بڑے صاحب کہاں ہیں؟

سوشیلا۔ اپنے کمرے میں کسی دوست سے باتیں کر رہے ہیں۔ تو ابھی اس طرف نہیں جا سکتی ـــــ

بندو۔ نہیں، مجھے ادھر نہیں جانا ہے۔ ایک کام آپ سے تھا۔

سوشیلا۔ ایک کام؟

بندو۔ آپ ہندی پڑھ لیتی ہو نا۔

سوشیلا۔ اسکول میں کیا اتنے برس گھاس کاٹتی رہی ہوں ـــــ تو کہنا کیا چاہتی ہے؟

بندو۔ نہیں، رسان، رسان، سب کچھ کہتی ہوں ـــ یہ ایک پتر پڑھ کر سنا دو . .
(کاغذ کھولنے کی آواز سنائی دیتی ہے)

سوشیلا۔ کیا پڑھوانا چاہتی ہے تو . . . کہاں سے اٹھا لائی یہ کاغذ کا ٹکڑا۔

بندو۔ لکھا کا ہے میم صاحب!

سوشیلا (پڑھتی ہے) میرے پیارے، میرے پیارے، میرے دل سے پیارے رامو۔ تو نے اتنے دنوں سے اپنی بندو کی سُدھ کیوں نہیں لی .... (ٹھیر جاتی ہے) کون ہے یہ رامو؟

بندو۔ آپ سارا پتّر پڑھ کر سُنا دو... اپنی بندو کی سُدھ کیوں نہیں لی... آگے....

سوشیلا۔ وہ برہ کی ماری تارے گن گن کر راتیں کاٹتی ہے۔ ہر سمے اس کا دھیان تیری ہی طرف ہے وہ سوتی جاگتی اٹھتی بیٹھتی تیرے ہی نام کی مالا جپتی ہے اس کا تن من تیری ہی یاد میں پڑا رہتا ہے۔ تو کب آئے گا رامو — تو میرے تپتے ہوئے ہردے کو اپنے پریم سے کب ٹھنڈک پہنچائیگا تو آئے یا نہ آئے، تیری بندو سدا تیری ہی بندو رہے گی۔ وہ تیری ہے ساری کی ساری تیری!

بندو۔ ساری کی ساری تیری — ! بابو نے ایک ایک بول ٹھیک لکھ دیا۔ یہی میں نے لکھایا تھا۔

سوشیلا۔ بندو تو نے یہ عشق بازی کب سے شروع کی؟ صاحب کو پتہ لگ گیا تو چٹیا سے پکڑ کر کوٹھی سے باہر کر دیں گے!

بندو۔ میم صاحب مجھ سے کا کسور ہوا؟

سوشیلا۔ قصور؟ تجھے یہ باتیں کرتے اور دوسروں سے ایسے خط لکھواتے لاج نہیں آتی۔ ٹھہر تو سہی —— ابھی ساری بات صاحب سے کہتی ہوں ——

بندو۔ آپ تو بے ناحک کھفا ہو رہی ہیں۔ میں آپ کے کئی پتّر اس ٹوپ والے

بابو کے پاس لے جاتی رہی ہوں۔ وہ جو سیکل پر آیا کرتا ہے۔ پر میں نے بڑے صاحب سے کبھی کچھ کہا۔

سوشیلا۔ چپ رہ ... جا اپنا کام کر۔

(گوپال کا کمرہ دروازہ پر دستک ہوتی ہے)

گوپال۔ کون ہے؟ دروازہ کھلتا ہے۔ چلے آؤں (بڑبڑاتا ہے) نہ جانے یہ لوگ جان بوجھ کر کہ میرا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ کیوں دستک دینا شروع کر دیتے ہیں (حیرت سے) ارے یہ تو بندو ہے۔ آؤ۔ آؤ۔ چلی آؤ ———

بندو (شرمیلی ہنسی) جی ہاں۔ میں ہوں!... بندو!

گوپال۔ تم کو اس کے نام خط لکھوانا ہوگا ... ہیں نا!

بندو (شرمیلی ہنسی) جی ہاں... نہیں... جی ہاں... جی ہاں، لکھوانا تو ایک پتری ہی ہے پر....

گوپال۔ ہاں ہاں! کہہ ڈالو.... اسی کے نام ہے نا... کیا نام بتایا تھا تم نے.... ہاں ہاں رامو!

بندو۔ جی نہیں... اب... اب اس کی طرف سے جواب لکھوانا ہے؟

گوپال (حیرت سے) کیا؟

بندو۔ گھبراہٹ سے) کچھ نہیں بابو جی۔ کچھ نہیں میں بھول گئی۔ میں یہ کہتی ہوں (تھوک نگلتے ہوئے) میں یہ کہتی ہوں.... اب، اب میں بھول ہی گئی کہ کیا کہتا تھا ———

گوپال۔ حد ہوگئی ہے!

بندو (جلدی سے) ہاں ہاں۔ آ گیا یاد۔ آ گیا یاد۔ میں یہ کہتی تھی کہ آپ ایک ایسا پتر لکھ دیں۔ ایک ایسا پتر لکھ دیں۔ راموں کو نہیں۔ کسی کو بھی نہیں۔ کسی کو بھی میرے ہی نام... جو پریم سے بھرا ہو۔ جس کو پڑھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ جائیں... مگر میں آپ کو ٹھیک نہیں بتا سکتی۔ میرے من کی بات من ہی میں رہی جاتی ہے ... پگلی ہوں میں... اب میں کیسے سمجھاؤں۔

گوپال۔ تم پگلی نہیں ہو بلکہ دوسروں کو پاگل بنا رہی ہو۔

بندو۔ میں مر جاؤں جو آپ سے جھوٹ کہوں... ایک بات ہے، ایک ہے بابوجی! میں کا بتاؤں کا بات ہے... میری جیبھ تو تالو سے چمٹ گئی ہے۔

گوپال۔ سنو بندو، یہ چالبازیاں میرے ساتھ نہ چلیں گی۔ میں شریف آدمی ہوں... جو کچھ تم نے اپنے اور اپنے راموں کے بارے میں کہا ہے سب جھوٹ ہے ایک فرضی کہانی ہے تم جھوٹ بول رہی تھیں یہاں آنے کے لیے خط لکھوانے کا تم نے ایک بہانہ بنایا ہے... مجھے تمہاری حالت پر ترس آتا ہے۔ اپنی جوانی یوں برباد نہ کرو۔ جاؤ اور خیال رہے کہ کبھی اس کمرے میں داخل ہونے کی جرأت نہ کرنا۔

بندو۔ بابوجی ..... بابوجی... دیکھا وہی ہوا نا، جس کا مجھے کھٹکا تھا کہ نہیں رہی تھی کہ مجھے کوئی بات کرنی آتی... (روتی آواز میں) آپ نے مجھے کا کچھ کہہ ڈالا (زیادہ روتی آواز میں) آپ کو کا پتہ کہ میرے من میں کیا ہے... میں کچھ نہ بتاؤں گی (روتی ہے)... (جانے کی آواز..... دروازہ بند ہوتا ہے)

گوپال - ارے ... حد ہوگئی ... کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ بات کیا ہے ... عجیب معمہ
ہے ... بیچاری کیسی یکایک رو پڑی؟ کیا پتہ کہ بالکل بے گناہ ہی ہے (زور
سے) بندو ... بندو ... ادھر آ - میں تجھے خط لکھے دیتا ہوں (آہستگی سے)
چلی گئی (چند سیکنڈ خاموشی طاری رہتی ہے - اس دوران میں
ٹائم پیس کی ٹک ٹک سنائی دیتی ہے)

گوپال - میں واقعی اس کے ساتھ بہت تیزی سے پیش آیا - مجھے معافی مانگنا چاہیئے۔

(جانے کی آواز ... دروازہ کھلتا ہے اور بند ہوتا ہے)

(قدموں کی چاپ، پھر دستک، پھر دروازہ کھلنے
کی آواز، پھر بند کرنے کی آواز)

گوپال - بندو .... بندو!

بندو (روتی آواز میں) جی!

گوپال - تم رو رہی ہو!

(بندو زور زور سے رونا شروع کر دیتی ہے)

گوپال - بندو ... تمہیں کیا ہو گیا ہے؟

بندو (رونا بند کر دیتی ہے اور ہچکیاں لیتی ہے) مجھے کچھ بھی نہیں ہوا ... میں
پگلی ہوں ... مورکھ ... پر اس میں آپ کا بگڑتا ہی کیا ہے - سب پریم
کرتے ہیں - سب پریم کرتے ہیں ... کون پریم نہیں کرتا -

گوپال - کرتے ہیں ....

بندو - تو میں بھی کرتی ہوں ... اپنے رامو سے پریم کرتی ہوں ... اپنے رامو سے
پریم کرتی ہوں جو بس میرے من ہی من میں ہے ... دوسرے ان سے پریم

کرتے ہیں جو گھروں میں رہتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں، بولتے ہیں۔ پر میرا رامو ان جیسا نہیں... میں نے اس کو اپنا بنایا ہے... نہ کوئی بندو ہے نہ کوئی رامو... یہ سب کچھ میں ہوں... صرف میں۔

گوپال (حیرت میں) کیا کہا... یعنی رامو رامو کوئی نہیں... اور بندو!

بندو۔ میں ہوں۔

گوپال۔ بندو تم ہو اور رامو سرے سے کوئی ہے ہی نہیں... آخر تم کہنا کیا چاہتی ہو۔

بندو۔ کچھ نہیں (کاغذ کی کھڑکھڑاہٹ) یہ لو اپنا لکھا ہوا پتر! آپ دوسرا پتر نہ لکھ کر دو! میں کہیں اور سے لکھوا لوں گی۔

گوپال (کاغذ کھولنے کی آواز) لے یہ تو وہی خط ہے جو تم نے اپنے رامو کے نام مجھ سے لکھوایا تھا... آخر یہ کیا قصہ ہے۔ میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آتا۔ تم اور خط کیوں لکھوانا چاہتی ہو، پھر تم نے اسے ابھی تک ڈاک میں نہیں ڈالا۔

بندو۔ میں اسے بھیجوں کہاں؟

گوپال۔ کسے بھیجو... رامو کو اور کس کو؟

بندو۔ میں اب کتنی بار کہوں کہ یہ رامو کوئی بھی نہیں ہے... میں جانتی ہوں کہ آپ ہنسو گے۔ دنیا ہنسے گی پر اس میں کسی کا بگڑتا کیا ہے کہ میں اس کو پتر لکھواتی ہوں۔

گوپال۔ کس کو؟

بندو۔ رامو کو اور کس کو؟

گوپال (کاٹ کر) تم ابھی تو کہہ رہی تھیں کہ رامو کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

۔ اب میں کیسے سمجھاؤں ۔ اگر کوئی رامو نہیں تو میں کروں گا ۔ اس میں میرا کا کسور، میں نے تو اسے اپنے من میں بنا لیا ہے ۔ وہ ہو یا نہ ہو ۔ اس سے مجھے کیا، میں تو یہی سمجھتی ہوں کہ وہ ہے میرے جیسا جیتا جاگتا، چلتا پھرتا، جیسے میں اس سے پریم کرتی ہوں ویسے ہی وہ مجھ سے پریم کرتا ہے ۔ میں اس کو پتر لکھواتی ہوں ۔ مانو ۔ وہ سچ مچ ہے اور وہ جواب بھی دیتا ہے ۔ ۔ آپ نے یہ پتر اس کے نام لکھا تھا ۔ میں نے اسے چھوٹی میم صاحب سے پڑھوایا اور سنا اور یہ سمجھی کہ وہ میرے سامنے کھڑا ہے اور مجھ سے پریم بھری باتیں کر رہا ہے ۔ پھر میں نے جی میں کہا کہ اب رامو کی طرف سے اس کی بندنا کے لیے جواب بھی آئے اور آپ سے پتر لکھنے کو کہا ۔ بس ساری بات یہی ہے ۔ یہی آپ کی سمجھ میں نہیں آتی ۔ ۔ ۔ اب اگر آپ سمجھ گئے ہیں تو بتاؤ، اس میں کسی کا بگڑتا کیا ہے، جو میں اپنے رامو سے پیار کرتی ہوں، جو اس سنسار میں نہیں پر میرے من میں رہتا ہے ۔

——— (فیڈ آؤٹ) ———

ممتا کی چوری

افراد

مسٹر بھاٹیہ —
مسز بھاٹیہ —
گوپال (گوپو) — مسٹر اور مسز بھاٹیہ کا کم سن لڑکا
چیلا — گوپال کی اُستانی
ڈاکٹر —

(پانی میں ہاتھ دھونے کی آواز)

ڈاکٹر۔ بچے کو زبردست انفکشن ہو گئی ہے اگر اس کی اچھی طرح تیمارداری اور خبر گیری نہ کی گئی تو مجھے اندیشہ ہے...

چیلا۔ نہیں نہیں... کسی بات کا اندیشہ نہیں ہے۔ آپ مطمئن رہیں ڈاکٹر صاحب اس کی اچھی طرح تیمار داری کی جائے گی... یہ لیجئے تولیہ!

(بچہ بخار میں "ہوں ہوں" کرتا ہے)

چیلا۔ گوپو — گوپو — میں تیری استانی ہوں بیٹا — کیا تو آج سبق نہیں پڑھے گا مجھ سے .... اور سیر کے لیے بھی تو جانا ہے نہیں.... نہیں نہیں، کل چلیں گے۔ کل تو بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔

ڈاکٹر۔ باتیں کرنے سے بچے کو تکلیف ہوگی۔

چپلا۔ بہت اچھا ڈاکٹر صاحب۔ میں باتیں نہیں کروں گی۔ پر میں اس کے پاس بیٹھ تو سکتی ہوں۔ یہ خود چاہتا ہے کہ میں اس کے پاس بیٹھی رہوں ——!

ڈاکٹر۔ ذ بھاٹیہ صاحب جو ہدایات میں دے چکا ہوں ان پر ضرور عمل کیا جائے۔

بھاٹیہ۔ بہت بہتر ڈاکٹر صاحب!

(چلنے کی آواز... پھر دروازہ کھلتا ہے)

مسز بھاٹیہ۔ ڈاکٹر صاحب بتائیے۔ میرے بچے کا کیا حال ہے۔ بچ جائیگا خطرے کی کوئی بات نہیں؟ —— اور —— اور —— اوہ —— لیکن یہ کیا ظلم ہے کہ مجھے اس کے پاس جانے سے منع کیا جاتا ہے (جذبات کی رو میں بہہ کر) کیا میں اس کی ماں نہیں۔ کیا وہ میرا بیٹا نہیں —— وہ عورت کیا وہ عورت قاعدے کے چند حروف پڑھا کر اس کی ماں بن گئی ہے —— چند روز باغ میں لے جا کر کیا اس عورت کے دل میں ممتا پیدا ہو گئی ہے؟ میری اولاد پر اسے کیا حق ہے —— کب تک وہ میرے ہی گھر میں میری چیزوں پر قابض رہے گی —— میں کب تک یہ اذیت برداشت کرتی رہوں گی۔

ڈاکٹر (سنجیدگی کے ساتھ) بچے کی حالت نازک نہیں ہے لیکن وہ خطرے سے باہر بھی نہیں۔ بہت احتیاط کی ضرورت ہے —— ہاں تو بھاٹیہ صاحب میں اب اجازت چاہتا ہوں۔

مسز بھاٹیہ اور... اور یہ سب احتیاط صرف وہی عورت کر سکتی ہے... میں بالکل ناکارہ ہوں۔ محض اتفاق ہے کہ میں اس کی ماں ہوں۔ ورنہ وہی عورت اس کی سب کچھ ہے (سسکیاں... میں... میں کتنی دکھی ہوں)

بھاٹیہ۔ ڈاکٹر صاحب آپ کا بہت بہت شکریہ۔ امید ہے شام کو آپ ضرور تشریف لائیں گے

ڈاکٹر۔ ایک ایک گھنٹے کے بعد دوا دینا نہ بھول لیے گا۔ اور وہ بھاپ بھی۔۔۔۔

بھاٹیہ۔ آپ مطمئن رہیں گوپال کی استانی ہوشیار ہے اسے سب کچھ یاد رہے گا۔

(دروازہ کھولنے اور بند کرنے کی آواز۔۔۔۔ ڈاکٹر چلا جاتا ہے)

مسز بھاٹیہ۔ تم یہ جھگڑا ہی ختم کیوں نہیں کر دیتے۔۔ یہ نئی بلا جو تم نے پالی ہے اسی کے ہو رہو اور مجھے زہر دے کر ہلاک کر دو۔۔۔ یہ روز روز کی دانتا کا کل تو ختم ہو۔ میرا تو اس گھر میں ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ یہ چڑیل جب سے آئی ہے ایسا جادو اس نے تم پر کیا ہے کہ میں کیا کہوں۔ اب تو گھر میں اسی کا راج ہے میں کون۔۔۔ تین میں نہ تیرہ میں، تسلی کی گرہ میں۔۔۔ تم تو خیر اس کے ہو ہی گئے تھے۔ پر اس موئی نے تو میرے بچے پر بھی قبضہ جما لیا ہے اب بتاؤ۔ میں کہاں جاؤں؟

بھاٹیہ (بڑی متانت اور ٹھنڈے دل سے) میں تم سے بار بار کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ تم بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ یہ گھر بار سب تمہارا ہے بچہ بھی تمہارا ہے جس عورت کا تم بار بار ذکر کرتی ہو وہ تمہاری نوکر ہے۔

تمہارے بچے کو اس نے دنوں میں سدھار دیا۔۔۔ اب بیماری میں وہ اس کی خبر گیری کر رہی ہے اس کے لیے تمہیں اس کا شکر گذار ہونا چاہیئے۔

مسز بھاٹیہ۔ تم اس کی وکالت کیوں کرتے ہو؟۔۔۔ تم کیوں اس کی اصلی خواہشوں پر پردہ ڈالتے ہو۔۔ کیا یہ جھوٹ نہیں کہ جب سے وہ اس گھر میں داخل ہوئی ہے تم مجھ سے بالکل بے پرواہ ہو گئے ہو۔ تم اب مجھ سے بات کرنے کے بھی روادار نہیں۔۔ اور کیا یہ جھوٹ ہے کہ بچے کو لے کر کئی کئی گھنٹے تم اس حرافہ کے ساتھ باغ میں ٹہلتے رہتے ہو؟۔۔ جب وہ بچے کو سبق پڑھاتی ہے تو

گھنٹوں تم اس کے پاس بیٹھے رہتے ہو کیا یہ غلط ہے؟ — کیا یہ سب اس چڑیل
کی کارستانی نہیں — اس ذلیل عورت کو جو فاحشہ سے بھی بدتر ہے ۔ ۔ ۔ ۔
مسٹر بھاٹیہ ۔ پاربتی — بند کرو اس بکواس کو (غصے کو دبا کر) تم ۔ ۔ ۔ تم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
اب میں تم سے کیا کہوں ۔ میری زندگی تم نے اجیرن کر دی ہے ۔
مسز بھاٹیہ (طعن آمیز لہجے میں) میں تو بہت سکھی ہوں — میری زندگی تو
بڑے آنند میں گزر رہی ہے ۔
مسٹر بھاٹیہ ۔ بھگوان کے لیے اب یہ مہا ٹھٹھی بند کرو ۔
مسز بھاٹیہ ۔ زور صرف مجھی پر چلتا ہے لیکن سُن لو جب تک یہ عورت گھر میں موجود ہے
میری زبان چلتی رہے گی ۔ مجھے دکھ دینے کے لیے جب تم یہ عورت یہاں
لے آئے ہو تو میں تمہیں ایک لمحے کے لیے چین نہ لینے دوں گی — اور
اس عورت — اور اس عورت کو پرماتما سزا دے گا جس نے میرے بسے
بسائے گھر کو برباد کیا ہے جس نے میرا پتی دن دہاڑے مجھ سے
چھین لیا ہے ۔
مسٹر بھاٹیہ ۔ میں اب دفتر جا رہا ہوں زیادہ باتیں کرنے کے لیے میرے پاس وقت نہیں
تم چاہو تو دوسرے کمرے میں اپنے لڑکے کے پاس جا سکتی ہو ۔
مسز بھاٹیہ ۔ میں نہیں جاؤں گی ۔
مسٹر بھاٹیہ ۔ یہ اور بھی اچھا ہے ۔
(دروازہ کھولنے اور بند کرنے کی آواز ۔ بھاٹیہ چلا جاتا
ہے مسز بھاٹیہ چند لمحات تک اضطراب کی حالت میں ٹہلتی ہے)
مسز بھاٹیہ ۔ چپلا ۔ ۔ ۔ چپلا

(دروازہ کھولنے کی آواز)

چپلا۔ میں نے آپ کی آواز سُن لی تھی۔ آپ نے دوسری مرتبہ زور سے پکارا
گوپو جاگ پڑا۔

مسز بھاٹیہ۔ پھر سو جائے گا۔ کوئی حرج نہیں!

چپلا۔ بڑی مشکل سے بیچارے کی آنکھ لگی تھی۔

مسز بھاٹیہ۔ گوپو سے تمہیں بہت پیار ہے؟

چپلا۔ جی ہاں!

مسز بھاٹیہ۔ کیوں؟

چپلا۔ مجھے اس سے پیار ہے۔ میں دل سے اُسے چاہتی ہوں ـــ کیوں؟
اس کا میں آپ کو جواب دوں۔

مسز بھاٹیہ۔ کیا مجھے اس سے محبت نہیں؟

چپلا۔ آپ کو مجھ سے زیادہ اس کا علم ہونا چاہیے!

مسز بھاٹیہ۔ کیا میں اس کی ماں نہیں؟

چپلا۔ آپ یقیناً اس کی ماں ہیں۔

مسز بھاٹیہ۔ تم اس کی کیا ہوتی ہے؟

چپلا۔ استانی، جس کو آپ نے مقرر کیا ہے۔

مسز بھاٹیہ۔ میں نے تمہیں مقرر نہیں کیا۔ میرے پتی نے تجھے نوکر رکھا ہے۔

چپلا۔ میں بھاٹیہ صاحب اور آپ میں کوئی فرق نہیں سمجھتی۔ میں آپ کی بھاٹیہ صاحب اور گوپو تینوں کی خدمت گار ہوں۔ میرا کام خدمت کرنا ہے۔

مسز بھاٹیہ۔ جیسی خدمت تم میرے پتی کی کر رہی ہو۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تم اپنے فن میں ضرورت سے زیادہ مہارت رکھتی ہو؟

چپلا۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔

مسز بھاٹیہ۔ میرے منہ میں بھاٹیہ صاحب کی زبان ہوتی تو میرا مطلب فوراً تمہاری سمجھ میں آجاتا ـــــ تم....

چپلا۔ فرمائیے!

مسز بھاٹیہ (لہجہ بدل کر) دیکھو چپلا۔ میں عورت ہوں۔ تم بھی عورت ہو آؤ کھل کر باتیں کریں وہ پردہ اٹھا دیں جو ہمارے درمیان حائل ہے۔

چپلا۔ آقا اور نوکر کے درمیان پردہ ہی کیا ہو سکتا ہے۔

مسز بھاٹیہ۔ انجان بننے کی کوشش نہ کرو ـــــ میں تم سے ایک التجا کرنا چاہتی ہوں... میں تم سے کچھ مانگنا چاہتی ہوں مجھے مانگنے دو۔ التجا کرنے دو ـــ دیکھو جب سے تم اس گھر میں آئی ہو میری زندگی بالکل اجیرن ہو گئی ہے۔ میرا پتی مجھ سے چھن گیا۔ میرا بچہ بھی میرا بچہ نہ رہا ـــ یہ سب کچھ تم نے لے لیا ـــ وہ تمام چیزیں جن کی ملکیت سے عورت بیوی بنتی ہے۔ ایک ایک کر کے تم مجھ سے چھین چکی ہو اس گھر میں جو کبھی میرا تھا میں اجنبی مہمانوں کی سی زندگی بسر کر رہی ہوں ـــ دیکھو تم عورت ہو ایک مظلوم عورت تم سے بھیک مانگتی ہے اس کو وہ تمام چیزیں بخش دو جو اتفاق سے تمہارے ہاتھ آگئی ہیں ـــــ

چپلا (جذبات پر قابو پا کر)... آپ... آپ... اب میں آپ سے کیا کہوں، آپ ایک شریف عورت کو بدنام کر رہی ہیں۔

مسز بھاٹیہ (چڑکر) شریف عورت... آہ تمہاری شرافت — تم عورت نہیں ڈائن ہو۔
لیکن میں پوچھتی ہوں، کب تک تم ان چیزوں کو اپنی ملکیت بنائے رکھو گی....
جن پر تمہارا کوئی حق نہیں۔ کب تک تم اس گھر میں فساد برپا کیے رکھو گی...
کب تک — کب تک — کب تک — تم ان جلیوں سے بچی رہو گی جو
آکاشش میں تم ایسی ناپاک عورتوں پر گرنے کے لیے تڑپتی رہتی ہیں۔
چیپلا (کوئی فیصلہ کرنے کے انداز میں) آپ کیا چاہتی ہیں۔ میں چاہتی..
مسز بھاٹیہ۔ میں تمہارے منہ پر تھوکنا چاہتی ہوں — میں چاہتی ہوں کہ یہ دنیا تمہارے
وجود سے پاک ہو جائے۔ میں چاہتی ہوں کہ جو دکھ تم نے مجھے دیے ہیں تمہارے
حلق میں ہچکی بن کر اٹک جائیں — میں بہت کچھ چاہتی ہوں — میں چاہتی
ہوں کہ گوپال مجھے ماں کہے — جیری بیچارگی دیکھو کہ میں کیا چاہتی ہوں۔
چیپلا۔ گوپال کی ماں آپ کے سوا کون ہو سکتی ہے؟
مسز بھاٹیہ۔ تم... تم... جس نے میری ممتا پر بھی قبضہ جما لیا۔
چیپلا (معنی خیز لہجے میں) ممتا چرائی نہیں جا سکتی۔ آپ نے خود کہیں کھو دی ہو گی۔
مسز بھاٹیہ۔ میں تم سے بحث کرنا نہیں چاہتی۔ ایک سودا کرنا چاہتی ہوں....
مجھ سے کچھ زیورات لے لو اور یہاں سے چلی جاؤ۔ ان سے کہہ دینا..
میں اپنی مرضی سے جا رہی ہوں۔
چیپلا۔ کیا اس سے آپ کا اطمینان ہو جائے گا۔
مسز بھاٹیہ (خوش ہو کر) تو میں تمہیں زیور اور روپے لا دوں۔
چیپلا۔ جی نہیں، مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ آپ نے مجھے نوکر رکھا اور اب نکال دیا اس
میں سودا کرنے کی نوبت ہی کہاں آتی ہے میں آج ہی چلی جاؤں گی اور یہ انہیں

ساتھ لیتی جاؤں گی کہ آپ نے مجھے شک کی نظروں سے دیکھا ۔۔۔ گوپال
آپ ہی کا ہے ۔ پرماتما کرے کہ وہ تندرست ہوجائے اور آپ کی
گود ہری رہے ۔

(کلاک چھ بجاتا ہے)

مسٹر بھاٹیہ (اپنی بیوی کو آواز دیتا ہے) پاربتی ۔۔۔ پاربتی ۔۔۔
مسز بھاٹیہ (روکھے پن سے) کیا ہے ؟
مسٹر بھاٹیہ ۔ چپلا کہاں ہے ۔۔۔ بچے کو اس نے دوا کیوں نہیں پلائی ؟
مسز بھاٹیہ ۔ مجھے کیا معلوم ۔ اپنے کمرے میں ہوگی ۔
مسٹر بھاٹیہ ۔ کیا کر رہی ہے ؟
مسز بھاٹیہ ۔ اندر جا کے دیکھ لو ۔
مسٹر بھاٹیہ ۔ دیکھتا ہوں ۔

(چلتا ہے اور دروازہ کھول کر دوسرے کمرے میں جاتا ہے)

بھاٹیہ ۔ چپلا، یہ تم کیا کر رہی ہو ۔۔۔ یہ اسباب وغیرہ تم نے کیوں باندھا ہے ؟
چپلا ۔ میں جا رہی ہوں ۔
بھاٹیہ ۔ کہاں ؟
چپلا ۔ جہاں سے آئی تھی ۔
بھاٹیہ ۔ کوئٹے میں بھونچال کے بعد تمہارا کون باقی رہا ہے ۔
چپلا ۔ کہیں اور چلی جاؤں گی ۔
بھاٹیہ ۔ تم نے تو وعدہ کیا تھا کہ گوپال کو چھوڑ کر کبھی نہ جاؤں گی ۔ جانتی ہو ۔ وہ
تمہیں کتنا چاہتا ہے ۔۔۔

چپلا۔ یہ اس کی غلطی ہے۔ اس کو اپنی ماں سے محبت کرنی چاہیئے۔
بھاٹیہ (تھوڑی دیر خاموش رہ کر) معلوم ہوتا ہے اس کی ماں سے تمہاری گفتگو
ہوئی ہے لیکن اس سے تم نے یہ کہا ہوتا کہ ماں کو بھی اپنے بچے سے محبت
کرنی چاہیئے — تم نے اس سے یہ پوچھا ہوتا کہ ماں بننے کا خیال اب
ایکا ایکی اس کے دل میں کیوں پیدا ہو گیا ہے ——
چپلا۔ میں نوکر ہوں بھاٹیہ صاحب۔ ایسے گستاخانہ سوال میری زبان پر کبھی نہیں آسکتے۔
بھاٹیہ۔ لیکن وہ عورت — لیکن وہ عورت ... آہ۔ اس عورت نے مجھے کتنا تنگ
کیا ہے — جب تم یہاں نہیں تھیں تو وہ سمجھتی تھی کہ میں نے باہر ہی باہر
کئی عورتوں سے تعلقات قائم کر رکھے ہیں۔ اب تم یہاں ہو تو — تو
— اب میں تم سے کیا کہوں کہ وہ کیا سمجھتی ہے — میں بہت شرمندہ
ہوں چپلا کہ میرے گھر میں تمہیں ایک بے وقوف عورت کے ہاتھوں دکھ
پہنچا ہے۔
چپلا۔ انہیں شک ہے!
بھاٹیہ۔ ہر چیز کو شک کی نظروں سے دیکھ دیکھ کر اب وہ ناقابل برداشت حد تک
شکی ہو گئی ہے۔ اس کی حالت قابل رحم ہے — وہ مریض ہے — وہم اس
کو مرض بن کے چمٹ گیا ہے وہ لاعلاج ہے — شادی کے بعد دوسرے ہی
ہفتے اس نے مہندی لگے ہاتھوں سے میرا منہ نوچنا شروع کر دیا تھا۔ میں ایک
مصروف آدمی ہوں سارا دن دفتر میں سر کھپاتا رہتا ہوں یقین مانو تمہارے یہاں
آنے سے پہلے میں گھر آتے وقت ڈرتا تھا بہت خوف کھاتا تھا۔ اسکی دیوانگی
کا اثر اگر صرف میری ذات ہی پر ختم ہو جاتا تو شاید میں برداشت کر لیتا مگر اس کی

بے وقوفیوں نے میرے بچے کا بھی ستیاناس کر دیا۔ اس کی عادات خراب ہو گئیں ـــــ میں نے پرماتما کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس نے تم جیسی دیوی کو میرے گھر بھیج دیا۔ تمہارے آنے سے میری بہت سی پریشانیاں دُور ہو گئیں بچے کو تم نے سنبھال لیا اس کو پیار محبت کی ضرورت تھی پر تم نے دنوں ہی میں اپنا گرویدہ بنا لیا۔ مگر اب تم جا رہی ہو.....

چیلا۔ جی ہاں۔ جا رہی ہوں!

بھاٹیہ۔ ٹھیک ہے مگر میرے بچے کو کیا ہو گا۔ وہ عورت تو مجھے اور اسے دونوں کو اپنی حماقتوں سے ہلاک کر دے گی (وقفہ) تم نہیں جاؤ گی ـــــ تم یہیں رہو گی۔ آخر اس گھر پر میرا بھی تو کچھ حق ہے میرے منہ میں بھی تو زبان ہے اب تک میں نے اپنے اختیارات سے کام نہیں لیا۔ لیکن اب مجھے لینا پڑے گا۔

چیلا۔ بھاٹیہ صاحب۔ آپ اس جھگڑے کو طول نہ دیجئے ـــــ میں نہیں چاہتی کہ آپ میں اور ان میں میری وجہ سے کشیدگی پیدا ہو۔

بھاٹیہ۔ یہ کشیدگی اب پیدا نہیں ہوئی تمہارے آنے سے پہلے ہی اس گھر میں موجود تھی ـــــ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ ابھی کچھ دیر ٹھہر جاؤ گو پو اچھا ہو جائے تو کیا پتہ ہے کہ اس کی ماں بھی سمجھ جائے ـــــ میں جانتا ہوں کہ اس کی باتوں سے تمہیں بہت دکھ پہنچا ہو گا اور... اور تم کو زبردستی یہاں ٹھہرانے کا مطلب یہ ہے کہ مزید توہین برداشت کرنے کے لیے تمہیں مجبور کیا جائے مگر... مگر... نہیں چیلا۔ تم نہیں جاؤ گی ـــــ تمہارے انکار سے مجھے صدمہ ہو گا ـــــ کھول دو اپنا اسباب! ـــــ

(دروازہ کھول کر دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہے)

بھاٹیہ۔ پاربتی تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ چیلا اب نہیں جائے گی۔ اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا ہے۔

مسز بھاٹیہ (طنز بھرے لہجے میں) مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔

بھاٹیہ۔ اور دیکھو۔ اگر تم نے اس کی توہین کی یا اسے اپنی وہم پسند طبیعت کا نشانہ بنایا . . . .

مسز بھاٹیہ (تیزی سے) تو . . . تو کیا ہوگا . . . تم مجھے دھمکاتے کیا ہو . . . . کیا کرو گے تم ـــ مجھے دھکے مار کر باہر نکال دو گے ـــ مجھے مار ڈالو گے ؟ کیا کرو گے ؟

بھاٹیہ۔ میں ایک بار پھر تمہارے لیے دعا کروں گا۔

مسز بھاٹیہ۔ مگر تم اس عورت کو نہیں چھوڑو گے اس کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھو گے۔ جو تمہارا دل نہ جانے کن اداؤں سے موہ چکی ہے جو کسی ٹیڑھ میں بھو نچال لا کر اب اس گھر میں زلزلہ برپا کر رہی ہے۔ مگر یاد رکھو . . . .

بھاٹیہ۔ (بلند آواز میں غصے کے ساتھ) پاربتی۔ اٹھ ہیں . . . بیہودہ بکو اس کو بند کرو میں . . . میں ــ کچھ نہیں، پرماتما تمہاری حالت پر رحم کرے۔

(فرش پر اضطراب کے ساتھ ٹہلنے کی آواز)

بھاٹیہ۔ اب خوش ہوگئیں۔ کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا ـــ وہ عورت جس نے تمہارے خیال کے مطابق نہ جانے کن اداؤں سے میرا دل موہ لیا ہے تمہارے نیچے پر اپنی جان قریب قریب فنا کر چکی ہے۔ اس کی زندگی اور موت میں اتنا وقت بھی باقی نہیں کہ وہ تمہارے ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کر سکے۔ تمہیں کوئی بد دعا ہی دے سکے۔

مسز بھاٹیہ۔ میرا کیا قصور ہے؟

بھاٹیہ۔ تم نے ہر وقت اس کی توہین کی۔ اس کی ہر نیکی، ہر اچھائی کو تم نے اپنی لعنتی نظروں سے دیکھا۔ اُف! جب میں اس کا تصور کرتا ہوں کہ تم نے ایک پاک اور معصوم عورت پر کیچڑ اچھالی ہے تو میری آتما کانپ کانپ اٹھتی ہے ——
مگر تمہاری آتما کہاں ہے؟ —— تمہارا ضمیر کہاں ہے —— جاؤ، جاؤ،
میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ —— تم قاتل ہو۔ تمہارے ہاتھ مجھے اس بے گناہ عورت کے خون میں آلود نظر آتے ہیں۔

مسز بھاٹیہ۔ کیا پتہ ہے، بچ جائے۔

بھاٹیہ۔ اب وہ کیا بچے گی —— ڈاکٹر جواب دے چکا ہے۔ تمہارے بچے کو موت سے بچا کر وہ خود اس کے منہ میں چلی گئی ہے —— اب کچھ نہیں ہو سکتا —— کاش! میں نے اُسے اسی روز جانے دیا ہوتا۔ میرا اس پر کوئی زور تو تھا ہی نہیں مگر وہ میرے کہنے پر رضا مند ہو گئی اس لیے کہ گوپو سے اسے پیار تھا۔ وہ پیار جو تمہارے میں ہونا چاہیئے تھا۔ گوپو کو اس کے دل میں نہ آیا۔ وہ بچ گیا اور وہ موت جو مجھے آنا چاہیئے تھی۔ اسے آ گئی ——

گوپال (روتا ہوا آتا ہے) پتا جی، پتا جی —— استانی جی کہاں ہیں؟

بھاٹیہ گوپال جاؤ۔ تم باہر کھیلو۔ تمہاری استانی بیمار ہے۔

گوپال۔ میں بیمار تھا تو میرے پاس بیٹھی رہتی تھیں۔ اب میں ان کے پاس بیٹھوں گا۔ پتا جی!

بھاٹیہ۔ ہاں، ہاں —— لیکن تم اب باہر جاؤ۔

(گوپال چلا جاتا ہے ۔۔۔ کچھ وقفے کے بعد)

مسز بھاٹیہ۔ مجھے اجازت ہو تو میں چپلا کو دیکھنا چاہتی ہوں۔

بھاٹیہ۔ اس اجازت کی ضرورت تمہیں کیوں محسوس ہوئی ۔۔۔ جاؤ ۔۔۔ دیکھ آؤ مگر تمہارے دیکھنے سے کیا اس کا دل تمہاری طرف سے صاف ہو جائے گا ۔۔۔ وہ خراشیں جو تم اس کے دل و دماغ پر پیدا کر چکی ہو۔ یوں ایک بار دیکھنے سے مٹ تو نہیں جائیں گی ۔۔۔ جاؤ ممکن ہے وہ تمہیں معاف کر دے ۔۔۔ تم نے اسے بہت دکھ پہنچایا ہے میں تو خیر تمہاری حماقتوں کا عادی ہو چکا تھا مگر ایک آفت رسیدہ عورت کے لیے جو اچھے دن دیکھ چکی ہو تمہارے ہسٹریا کے دورے ناقابل برداشت تھے۔

(وقفے کے بعد دروازہ کھولنے کی آواز ۔ مسز بھاٹیہ دوسرے کمرے میں جاتی ہے)

مسز بھاٹیہ۔ چپلا ۔۔۔ چپلا ۔۔۔ میں آئی ہوں۔

چپلا (مُردہ آواز میں) آئیے ۔۔۔ آئیے ۔۔۔ مگر یہاں آپ کس جگہ پر بیٹھیں گی۔

مسز بھاٹیہ۔ میں یہاں تمہاری چارپائی پر بیٹھ جاؤں گی ۔۔۔ تم اٹھنے کی کوشش نہ کرو ۔۔۔ لیٹی رہو۔

چپلا۔ مگر.... مگر.... نہیں، نہیں، آپ کو میرے پاس نہیں بیٹھنا چاہیئے یہ بیماری بڑی چھوت ہے ۔۔۔ نہیں، نہیں، آپ دور ہی کھڑی رہیں اور جلدی باہر چلی جائیں۔

مسز بھاٹیہ۔ مجھے کچھ نہیں ہو گا۔ اگر کچھ ہو بھی گیا تو مجھے افسوس نہ ہو گا۔ میں تم سے

معافی مانگنے آئی ہوں۔

چپلا۔ معافی؟... کیسی معافی... آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔

مسز بھاٹیہ۔ میں نے غلط فہمی میں تم سے کئی بار ایسی باتیں کی ہیں جن سے یقیناً تمہیں بہت دکھ پہنچا ہے۔ اب سوچتی ہوں اگر میں تمہاری جگہ پر ہوتی تو میرے دل میں کیا حالت ہوتی۔

چپلا۔ میری جگہ پر آپ ہوتیں تو... تو یہ حالات نہ ہوتے ـــ لیکن آپ میری جگہ پر کیوں ہوتیں؟ ہر ایک آدمی کے لیے ایک جگہ مقرر ہے۔ میرے لیے یہی جگہ مقرر تھی جہاں آ کر مجھے اپنی زندگی کے سب سے بڑے پاپ کا پرائشچت کرنا تھا ـــ

مسز بھاٹیہ۔ پاپ... پرائشچت!

چپلا۔ میں اب سوچتی ہوں اگر یہاں سے میں اس روز چلی جاتی تو میرے من کی من ہی میں رہ جاتی۔ کوئی زمانہ تھا کہ میں بھی آپ ہی کی طرح تھی۔ میرا پتی تھا جو آپ کے پتی ہی کی طرح بڑا شریف کاروباری آدمی تھا۔ مگر میری حاسد اور بات بات پر شک کرنے والی طبیعت کا بُرا ہو کہ میں نے اس کو ہمیشہ پریشان رکھا۔ وہ جی ہی میں کڑھتا تھا۔ میں ہر گھڑی اس کو جلی کٹی سناتی مگر وہ چپ رہتا۔ اس کو خاموش دیکھ کر میں سمجھتی۔ چونکہ یہ مجرم ہے اس لیے کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی....

مسز بھاٹیہ۔ یہ تو میری ہی کہانی ہے....

چپلا۔ گوپال جیسا میرا بھی ایک بچہ تھا اور میری طرح اس کی بھی ایک اُستانی تھی جس پر میں شک کرتی تھی۔ کئی جھگڑے ہوئے میں نے اپنے پتی اور

اپنی دونوں کی زندگی کو نرگ بنا دیا تھا... اور... اور اس کا انجام یہ ہوا کہ اس معصوم عورت نے جو میرے بچے کو مجھ سے زیادہ عزیز سمجھتی تھی کچھ کھا لیا۔ اور مر گئی۔ اس کے بعد بھونچال آیا اور بچہ اور اس کا باپ دونوں ہمیشہ کے لیے مجھ سے جدا ہو گئے۔ لیکن اب۔ اب میں بھی ان کے پاس جا رہی ہوں۔

مسز بھاٹیہ (اشک آلود آواز میں) نہیں، نہیں، تم زندہ رہو گی۔ میں تمہیں اپنی بہن بنا کے اپنے پاس رکھوں گی۔ عین اس وقت جب کہ میری آنکھیں کھلی ہیں تم ان سے اوجھل نہیں ہو سکتی ہو۔

چپلا۔ میں بہت خوش ہوں کہ اپنی آتما کا بوجھ ہلکا کرنے کے ساتھ میں نے ایک اچھا کام بھی کر دیا۔۔۔ بھاٹیہ صاحب اور آپ دونوں خوش رہیں۔ آپ کی زندگی پرماتما کرے سورگ بن جائے ۔۔۔ لیکن آپ جائیے ۔۔۔ زیادہ دیر یہاں نہ ٹھہریے ۔۔۔ ایسا نہ ہو۔۔۔

(آواز ڈوب جاتی ہے)

مسز بھاٹیہ۔ چپلا ۔۔۔ چپلا....

(دردناک سُروں میں ساز بجتا ہے.... مسز بھاٹیہ کے رونے کی آواز آتی ہے۔)

——(فیڈ آؤٹ)——

سلیمہ

(تالیوں کا شور ـــــ چند لمحات کے بعد یہ شور بند ہو جاتا ہے)

پرنسپل ۔ یہ رسم جب سے میں اس کا پرنسپل مقرر ہوا ہوں، ہر سال باقاعدہ ادا کی جاتی ہے ہر سال اس موقعہ پر تالیوں کے شور کے ساتھ میں اپنی کرسی سے اٹھتا ہوں اور قریب قریب وہی تقریر کرتا ہوں جو مَیں نے آج سے دس سال پہلے کی تھی تمہیں دیکھ کر میرے دل میں وہی جذبات پیدا ہوتے ہیں جو اس سلسلے کے آغاز پر ہوئے تھے۔ آج جب میں نے اس پر غور کیا ہے تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مَیں پوسٹ ماسٹر ہوں اور کالج کی یہ بلڈنگ بہت بڑا ڈاک خانہ تم سب خطوط ہو جو کچھ دیر اس بلڈنگ میں رہ کر اپنے اپنے ٹھکانے پہنچا دیے جاتے ہو تم میں سے کوئی بیرنگ ہو جاتے ہیں جس کے باعث تمہارے والدین کو جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے کچھ غلط ایڈریس کی وجہ سے اِدھر اُدھر بھٹکتے رہتے ہیں۔ بہر حال یہ کھیل ہے بہت دلچسپ ... ہر سال امتحانوں کا ایک چکر شروع ہوتا ہے اس میں کچھ کامیاب ہوتے ہیں کچھ ناکام، مسرت اور غم کی ملی جلی لہریں مَیں ہر سال دیکھتا ہوں اس وقت میرے سامنے ایسے کئی چہرے ہیں جو کامیابی کے باعث تمتما رہے ہیں۔ اس کے ساتھ مَیں ایسے چہرے بھی دیکھ رہا ہوں جو ناکامیابی کے صدمے مرجھائے ہوئے ہیں خزاں اور بہار کا ملا جلا موسم ہر سال آتا ہے اور چند دنوں کے بعد گزر جاتا ہے۔ وہ

لڑکیاں اور لڑکے جو "بی اے" کا امتحان پاس کر چکے ہیں یا تو اونچی تعلیم حاصل کرنے کے لیے کسی بڑے کالج میں داخل ہو جائیں گے یا تعلیم کا سلسلہ ختم کر کے دنیوی کاموں میں مصروف ہو جائیں گے ۔ یہ جو اس امتحان کی دیوار نہیں پھاند سکے وہ دوبارہ کوشش کریں گے ... جو یہاں سے جا رہے ہیں ان کو میں الوداع کہتا ہوں اور ان کی کامیاب زندگی کے لیے دعا کرتا ہوں جو نئے آئے ہیں میں ان کو خوش آمدید کہتا ہوں اور ان کے فائدے کے لیے کہتا ہوں کہ اس تعلیم گاہ میں داخل ہوتے وقت ان لوگوں کو ایک نظر ضرور دیکھ لیں جو باہر جا رہے ہیں ... جو خواہش کے باوجود اپنی کمزوریوں کے باعث یا کسی اور وجہ سے باہر نکلنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ان سے مجھے پوری پوری ہمدردی ہے ۔ خاص طور پر مجھے سلیمہ سے بہت ہمدردی ہے جو محنت کرنے کے باوجود اس سال بھی امتحان میں کامیاب نہیں ہو سکی ۔ اب میں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں ۔ خدا کرے، آئندہ سال سلیمہ کامیاب ہو جائے ۔

(تالیوں کا شور ۔ اس کے بعد لڑکوں اور لڑکیوں کی ملی جلی آوازیں)

(آہستہ آہستہ ان آوازوں کو مدھم کر دیا جائے اور ذیل کا مکالمہ سپر امپوز کیا جائے)

ذکیہ ۔ نرملا ـــــ کیا سلیمہ ہال میں موجود تھی ؟

نرملا ۔ نہیں تو کیوں اوشا ـــــ کیا سلیمہ موجود تھی ؟

اوشا ۔ نہیں !

ذکیہ ۔ میرا خیال ہے وہ آئی ہی نہیں !

نرملا۔ بے چاری کو دکھ بہت ہوا ہو گا۔
ذکیہ۔ ایک بار فیل ہونے ہی سے آدمی کی کمر ٹوٹ جاتی ہے وہ تو دوسری دفعہ فیل ہوئی ہے
نرملا۔ محنت تو بے حد کرتی ہے۔
ذکیہ۔ اصل میں یہ سب اس کے مزاج کی خرابی کا نتیجہ ہے کسی سے مدد لینا کوئی گناہ تو نہیں امتحان شروع ہونے سے پہلے میں نے کئی بار اس سے کہا سلیمہ تم میرے گھر آجایا کرو میں تمہیں ساری اکنامکس ازبر یاد کرا دوں گی بس یہ سنتے ہی جیسے اس کے مرچیں لگ گئیں تم اپنے آپ کو بہت وہ سمجھنے لگی ہو ذکیہ تمہارے بغیر گویا اکنامکس کسی کو یاد ہی نہیں ہو سکتی یعنی ایک صرف تم ہی ہو جسے اکنامکس آتی ہے میں تو بالکل گدھی ہوں بیوقوف ہوں۔ اب نرملا تم ہی کہو میں نے کیا اسے چھیڑنے کے لیے اپنی مدد پیش کی تھی یہ تو سب جانتے ہیں کہ وہ اکنامکس میں بالکل صفر ہے بس دماغ ہی جو ایسا پایا ہے کوئی اچھی بات کرے تو اسے بری لگتی ہے۔
نرملا۔ میرے ساتھ بھی بالکل ایسا ہی ہوا۔ میں نے کہا۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا سائیکولوجی کا پیپر کمزور رہ جائے کہو تو میں تمہیں اپنا نوٹ لادوں بس یہ سنتے ہی بگڑ گئی۔ نوٹوں کی تو اس کو ضرورت ہوتی ہے جو کتاب سے کچھ سیکھ نہ سکے اور اگر مجھے نوٹ کی ضرورت ہوئی تو میں خود خرید لوں گی۔ میں اتنی گئی گذری تو نہیں ہوں یہ نوٹ جو تم مجھے دینا چاہتی ہو دو روپے دس آنے کا آتا ہے کوئی اتنی بڑی رقم خرچ تو نہیں ہوتی . . . بھئی وہ دن اور یہ دن میری جان جلے جو میں نے پھر اس سے ایسی بات کی ہو۔
اوشا۔ کسی کو کیا پڑی ہے جو . . .

ذکیہ۔ بڑی عزمی کی بات نہیں اوشا۔ ہمارے دل پتھر کے تو ہے نہیں اس کو دیکھ کر کسے دکھ نہیں ہوتا اور جب دکھ ہو تو منہ سے ہمدردی کا کوئی کلمہ نکل ہی جاتا ہے۔

نرملا۔ پر اسے ہمدردی کی ضرورت بھی ہو... وہ تو کاٹنے کو دوڑتی ہے اگر اس سے ہمدردی کا ایک لفظ بھی کہہ دیا جائے۔

ذکیہ۔ جانے اس کے مزاج میں یہ تلخی کہاں سے آگئی ہے۔

اوشا۔ اسے تلخی کو چھوڑ سب کو معلوم ہے کہ بے حد غریب ہے لیکن اگر اس سے کہو سلیمہ تو ہر روز یہ سبز ساڑھی کیوں پہن کر آتی ہو تو فوراً بگڑ کر جواب دے گی میرے پاس ایسی ایک تین کی ساڑھیاں ہیں مجھے یہ خاص کپڑا اور خاص رنگ بہت پسند ہے پر اتنا جھوٹ نہ بلوائے تو اس کے پاس اس ساڑھی کے سوا ایک چیندی بھی نہیں ہے ——

نرملا۔ سر میں تیل لگائے گی ایسا بدبودار کہ ناک پھٹ جائے پر اس سے پوچھو تو یہی کہے گی کہ یہ خاص تیل ہے اس سے بال لمبے ہوتے ہیں مجھے ایسے بھی خوشبودار تیل پسند نہیں۔ لگاؤں تو زکام ہو جاتا ہے۔

اوشا۔ بی میڈم کی کو بات بات پر زکام کا خطرہ لاحق رہتا ہے — توبہ ہے بھئی!

ذکیہ۔ اور دیکھو سب لوگ آئے پر وہ زکام کی بچی ہیں آئی... وقفہ .... خواہ مخواہ میں نے اسے گالی دی۔ اللہ کی قسم، مجھے دکھ ہوا۔ نرملا سچ کہتی ہوں اس کا وحشیانہ پن دور ہو جائے تو ایسی اچھی سہیلی نہیں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گی مگر مصیبت تو یہ ہے کہ بات بات پر بگڑ جاتی ہے ہر وقت بھری بندوق بنی رہتی ہے اس کا کیا علاج کیا جائے۔

(قدموں کی چاپ)

انور۔ کس کا علاج ....

ذکیہ۔ ہم سلیمہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ آپ دوستوں وغیرہ سے مل چکے؟

انور۔ جی ہاں، تو آپ سلیمہ کا ذکر کر رہی تھیں.... مگر یہ علاج کا قصہ کیا تھا؟

ذکیہ۔ (ہنستی ہے) کچھ نہیں .... اچھا تو اب کس کالج میں داخل ہو جائے گا۔

انور۔ جس میں آپ کہیں؟

ذکیہ۔ نرملا، سنا تم نے، یہ آج .... ایک نیا فراڈ چلا رہے ہیں ہر ایک سے یہی کہتے پھرتے ہیں جس میں آپ کہیں ....

(سب ہنستے ہیں)

انور۔ آپ سلیمہ کی باتیں کر رہے تھے۔

ذکیہ۔ جی ہاں!

انور۔ آپ؟

ذکیہ۔ میں جی اس کی باتیں کر رہی تھی۔

انور۔ اور آپ؟

اُوشا۔ اس گفتگو میں میں بھی شامل تھی۔

ذکیہ۔ آپ تو بالکل پولیس انسپکٹر بن رہے ہیں۔

انور۔ جی نہیں۔ میرے دخل در معقولات کی وجہ یہ ہے کہ میں ابھی ابھی سلیمہ سے گفتگو کر کے آ رہا ہوں ....

نرملا۔ کہاں رہے؟

انور۔ باہر باغ میں!

اوشا ۔ چلو، ذکیہ چلیں!

انور ۔ ٹھہریے!

اوشا ۔ فرمائیے!

انور ۔ اس وقت اگر آپ اس کے پاس نہ جائیں تو اچھا ہے اس کی طبیعت بیحد مغموم ہے صدمے نے اس کے دماغ کو درہم برہم کر رکھا ہے وہ آپ لوگوں سے اچھی طرح گفتگو نہ کر سکے گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کوئی ایسا چبھتا ہوا فقرہ کہہ دے جس سے آپ میں سے کسی کو رنج پہنچے وہ اس وقت بالکل بپھری بیٹھی ہے اگر کسی نے اس کو چھیڑا تو آفت برپا ہو جائے گی ——

ذکیہ ۔ یہ بڑی مصیبت ہے اب اگر کوئی اس سے ہمدردی کا اظہار کرنا چاہے تو کیا کرے۔

انور ۔ خاموش رہے۔

ذکیہ ۔ کیسے؟

انور ۔ بالکل میری طرح —— باغیچے کی طرف سے میرا گذر ہوا میں نے دیکھا کہ وہ ایک جھاڑی کی چھاؤں تلے بیٹھی ہے اس کی آنکھوں میں دو ناممکل آنسو دیکھ کر ہی میرے قدم رک گئے اس نے میری طرف دیکھا میں فوراً سمجھ گیا کہ وہ دماغی اضطراب کی آخری حد تک پہنچ چکی ہے اس کی آنکھوں میں آنسو آنا چاہتے ہیں مگر وہ انہیں روک رہی ہے وہ نہیں چاہتی کہ اس کی کمزوری کا اظہار کسی غیر شخص پر ہو جائے میں نے اس وقت عجیب و غریب بات محسوس کی وہ خود کو بھی غیر سمجھ رہی ہے وہ اپنی کمزوری اپنی آنکھوں کو بھی نہیں بتانا چاہتی اس کے حوصلے اور اس کی قوت ارادی کا میں ہمیشہ معترف رہا ہوں لیکن اگر میں اس کے پاس چلا جاتا تو وہ پہاڑ جو اس نے اتنی محنت سے کھڑا کیا تھا یقیناً ریزہ ریزہ

ہو جاتا۔ اس ڈر کے مارے اس کے پاس نہ گیا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور میں نے اس کی طرف۔ اس کے نامکمل آنسو تکمیل کی آرزو میں تڑپ گئے اور میں یہاں چلا آیا۔

ذکیہؔ۔ آپ کا کیا خیال ہے اگر میں اس کے پاس جاؤں تو وہ مجھے مارے گی؟

انورؔ۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا مگر اس وقت غضب ناک حالت میں ہے ناکامی پر ان آدمیوں کی اکثر یہی حالت ہو اکرتی ہے جنہیں اپنے اوپر ضرورت سے زیادہ اعتماد ہوتا ہے وہ ناکامی کو اکثر چھوٹی سی گیند سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اسے ایک ہی ٹھوکر سے پرے ہٹا کر اپنا راستہ صاف کر لیں گے مگر بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ گیند زمین میں گڑ جاتی ہے اور زور زور سے ٹھوکریں مارتے پر بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلتی لیکن شاید میرا خیال غلط ہو ــــ میں دراصل کوشش کے باوجود سلیمہ کو نہیں سمجھ سکا۔

ذکیہؔ ۔ ہم سب کے لیے ایک معمّہ بنی ہوئی ہے ۔

اوشاؔ ۔ یہ تو انور صاحب نے ٹھیک کہا ہے کہ اسے ضرورت سے زیادہ اپنے اوپر اعتماد ہے ۔ کیا پتہ ہے ۔ ساری خرابی کی یہی جڑ ہو ۔

ذکیہؔ ۔ ہو سکتا ہے ۔

انورؔ۔ میرے اور اس کے تعلقات کسی حد تک خوشگوار ہی رہے ہیں مگر اس کے باوجود میں نے اس وقت اس سے ہمدردی کا اظہار مناسب خیال نہ کیا آپ لوگوں سے تو ہمیشہ اس کی چخ چلتی رہی ہے میں سمجھتا ہوں ترلا بہن کو تو ایک آنکھ نہیں بھاتی اس صورت میں جب کہ سلیمہ اور آپ کے درمیان ہمیشہ ایک خلیج حائل رہی ہے ۔

ذکیہؔ ۔ ہمارا اس کے پاس جانا واقعی مناسب نہیں!

انور۔ اور میری رائے پر اگر آپ عمل کریں تو اس دروازے سے باہر نکل جائیں۔
ممکن ہے آپ کو دیکھ کر اسے تکلیف پہنچے۔

اوشا۔ پہنچتی ہے تو پہنچے۔ بھئی میں تو اس دروازے سے باہر جاؤں گی۔ چڑانے
کے لیے بالکل اس کے پاس سے اکڑتی ہوئی چلوں گی۔

انور۔ اوشا، تم نے اسے کلاس میں سب سے زیادہ تنگ کیا ہے اب کالج چھوڑ کر جاتے جاتے
اس کے دکھے دل کو اپنی کامیابی کے اظہار سے ٹھیس پہنچانا کیا درست ہوگا؟ ممکن
ہے تمہیں اس میں مزا آئے مگر اس کو یقینی طور پر دکھ ہوگا سلیمہ بہت
حساس لڑکی ہے۔

اوشا۔ تم ہمیشہ اس کی پچ کرتے رہے ہو لیکن یاد رہے اس روز تمہاری اس
حساس لڑکی نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔

انور (ہنستا ہے) میری حساس لڑکی؟ . . .

(سب ہنستے ہیں)

ذکیہ۔ سچ تو یہ ہے کلاس میں سلیمہ سے آپ کا سلوک ویسا ہی تھا جیسے
ایک باپ کا اپنی بیٹی سے ہوتا ہے۔

انور (ہنستا ہے) لیکن اس کے باوجود (جیسا کہ اوشا نے ابھی ابھی کہا ہے
میری شفقت کو وہ ہمیشہ ٹھکراتی اور میری ہمدردی کو ہمیشہ روندتی رہی ہے)

ذکیہ۔ ضدی اور بدزبان لڑکیوں سے آپ اور کس قسم کے برتاؤ کی توقع کر سکتے ہیں

انور۔ اس کی ضد اور بدمزاجی سے آپ کی طرح میں بھی واقف ہوں مگر یہ ضد اور بدمزاجی
کیسے پیدا ہوئی اس کے متعلق نہ آپ جانتی ہیں نہ میں! اب ہم سب یہ کالج چھوڑ
کر جا رہے ہیں اور وہ اکیلی رہ گئی ہے اجنبیوں کے درمیان۔ ظاہر ہے

کہ نئے لوگ اسے بہت زیادہ پریشان کریں گے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس
کے مزاج میں اور زیادہ چڑچڑاپن پیدا ہو جائے گا کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس
لڑکی کا انجام کیا ہوگا تم لوگوں نے غور نہیں کیا کہ وہ کس قدر دبلی ہوگئی ہے اس کی
ہڈیاں باہر نکل آئی ہیں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کئی برسوں کی بیمار رہے ہیں ایسا نہ ہو کہ
——— میرے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے جب میں سوچتا ہوں کہ سلیمہ
اپنی زندگی کے پراسرار محاذ پر لڑتی لڑتی تنہا ماری جائے گی ۔

ذکیہ ۔ وہ اپنے دل کا حال کسی کو بتائے بھی !

اوشا ۔ میں تو اس سے کئی بار پوچھ چکی ہوں ۔

نرملا ۔ اپنے میلے پیٹی کوٹ کی طرح وہ ہمیشہ اسے چھپائے رکھتی ہے ۔

انور ۔ لیکن اس کا دل اس کے پیٹی کوٹ کی طرح میلا نہیں ——— مجھے اس کا
یقین ہے ۔

(دور سے بہت سے لڑکے لڑکیوں کے رونے کی آواز)

انور ۔ ایک گروہ کا گروہ ادھر آرہا ہے آپ چلی جائیں ۔ میں نہیں چاہتا کہ سلیمہ
کے متعلق یہ لوگ بھی باتیں کریں ۔ آپ چلی جائیں ۔

(ہجوم کا شور قریب آجاتا ہے ۔ نرملا، اوشا اور ذکیہ اس میں شامل
ہو جاتی ہیں سب مل کر ایک لہر کی طرح آگے گذر جاتے ہیں آہستہ
آہستہ اس شور کو فیڈ آؤٹ کیا جائے ۔ اس کے بعد انور کے قدموں
کی چاپ ——— اسے قائم رکھا جائے)

انور (ہچکچاتے ہوئے) سلیمہ ... کیا میں تمہارے پاس آسکتا ہوں ۔

سلیمہ (تلخ لہجے میں) تمہیں کس نے روکا ہے آنا چاہتے ہو تو آجاؤ ۔

انور (لمبا وقفہ) تم یہاں بہت دیر کی بیٹھی ہو۔
سلیمہ۔ ہاں، بہت دیر کی بیٹھی ہوں۔ کہتے ہو تو اٹھ کر چلی جاتی ہوں۔
انور۔ نہیں نہیں میرا مطلب یہ نہیں کہ تم اٹھ کر چلی جاؤ ــــ میں دراصل تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا تھا۔
سلیمہ۔ کیسی باتیں؟
انور۔ تمہارا لہجہ اس قدر سخت ہے کہ....
سلیمہ۔ بدمزاج چڑچڑی۔
انور۔ نہیں سلیمہ نہیں۔
سلیمہ۔ تم کہنا کیا چاہتے تھے؟....
انور۔ کوئی خاص بات نہیں... بس یونہی تم سے باتیں کرنے کو دل چاہا ــ اس لیے چلا آیا۔ اس سے پہلے بھی میں ادھر سے گذرا تھا۔ مگر تم ... سلیمہ تنہائی میں تم کیا بالکل نہیں گھبراتی ہو۔
سلیمہ۔ کیسی تنہائی .... میں بالکل تنہا نہیں ہوں۔
انور (ہنستا ہے) ہاں اب تم تنہا نہیں ہو۔
سلیمہ۔ اس سے پہلے بھی تنہا نہیں تھی۔ تم چلے جاؤ گے پھر بھی میں تنہا نہیں ہوں گی....
انور۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تم نے کیوں اپنی طبیعت پر اتنا بوجھ ڈال رکھا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ آدمی تنہا ہونے پر بھی ہجوم میں گھرا ہوا ہو سکتا ہے پر تمہارے متعلق میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ تم خوفناک طور پر اکیلی ہو۔ تمہارا کوئی دوست نہیں تمہارا کوئی ہمدرد نہیں۔
سلیمہ۔ یہاں کالج کی چار دیواری میں اگر میرا کوئی دوست نہیں تو اس کا مطلب یہ نہ سمجھنا چاہیئے

کہ میں خوفناک طور پر اکیلی ہوں میرے دوست ہمدرد ہیں اگر میں چاہتی تو یہاں
بھی اپنے دوست پیدا کر لیتی مگر مجھے ان کی ضرورت نہیں اور ہمدرد و اس وقت
پیدا ہوتے ہیں جب کسی کی حالت قابل رحم ہو۔ میری حالت قابل رحم نہیں۔
تم مجھے ہمیشہ غلط سمجھتے رہے ہو۔ تم کیا سب مجھے غلط سمجھتے رہے ہیں ذہنی
ہے) اچھی بھلی ہوں۔ چلتی پھرتی ہوں بولتی ہوں ہنستی ہوں مجھ میں کیا نقص ہے
مجھ میں کیا خرابی ہے جو دوسروں کے دل میں ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے
میں سمجھتی ہوں کہ ان لوگوں کے اپنے دماغ کی خرابی کا نتیجہ ہے لیکن... لیکن...

سلیمہ۔ مجھے کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں۔ میں جانتی ہوں تم کس غرض سے میرے پاس
آئے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری ہمدردی میں خلوص ہو مگر مجھے اس کی ضرورت بھی ہو
۔ میں اگر دوبارہ فیل ہو گئی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میرا کوئی عزیز مر گیا ہے میرا بازو
ٹوٹ گیا ہے میں لولی لنگڑی ہو گئی ہوں اور جو اس کا یہ مطلب نکالتے ہیں کہ میں
کند ذہن ہوں وہ بھی درست نہیں۔ میں تم سے کہیں زیادہ ذہین ہوں۔ کونسی بات ہے
جو میرے ذہن میں نہیں آ سکتی۔ تم ہی بتاؤ کلاس میں جب نئے نئے آئے تھے
تو کیا میں نے فلسفے کے کئی دقیق نکتے نہیں سمجھائے تھے تم کلاس میں سب سے
زیادہ ہوشیار طالب علم مانے جاتے تھے لیکن میں کئی بار تمہاری غلطیاں نکال
چکی ہوں۔ کیا یہ درست نہیں ہے۔

انور۔ سلیمہ میں تمہارا یہ خیال توڑنا نہیں چاہتا تھا مگر اب مجبوراً مجھے یہ کہنا پڑا ہے کہ میں
ہمیشہ تمہاری حوصلہ افزائی کرتا رہا ہوں۔ فلسفے کے جو نکتے تم نے مجھے سمجھائے ہیں سراسر
غلط تھے ایک لفظ بھی تمہارا صحیح نہیں تھا کلاس میں تم میری غلطیاں نکالتی رہی ہو اور
میں تسلیم کرتا ہوں صرف اس لیے کہ تمہارا اشتغل جاری رہے اور تمہیں ناامیدی نہ ہو آج

مجھے محسوس ہوا ہے کہ میرا یہ طرزِ عمل بالکل غلط تھا تم اپنے آپ کو دھوکا دیتی رہی ہو اور
میں تمہاری مدد کرتا رہا ہوں۔ یہ میری خطرناک غلطی تھی ــ یہی وجہ ہے کہ اب میں
نے اسے دُور کرنے کے لیے تم سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ اپنی ذہانت
اور قابلیت کے متعلق تمہارا دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے۔

سلیمہ ــ میں جانتی تھی، مجھے معلوم تھا کہ تم سب سے بڑے حاسد ہو آج تم نے جو زہر اُگلا ہے اس سے
یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ واقعی حاسد ہو۔ چونکہ میں لائق ہوں ذہین ہوں اور تمہارے
مقابلے میں میری ذہنی قوتیں بہت ارفع و اعلیٰ ہیں اس لیے تم دوسروں کی طرح مجھ سے
خار کھاتے ہو۔ کلاس میں اگر میں نے تمہاری طرف کچھ توجہ دی تھی تو اسکا مطلب
صرف یہ تھا کہ تم دوسروں کے مقابلے میں کچھ اچھے تھے ان کے مقابلے میں تمہارے
اندر حسد کا مادہ کچھ کم تھا پر اب معلوم ہوا ہے تم سب سے زیادہ زہریلے ہو۔ (آواز
بھرّا جاتی ہے) کئی بار تمہاری چکنی چپڑی باتیں سُن کر مجھے خیال ہونے لگا تھا کہ
شاید تم میرے سچے دوست ہو۔ پر انور تم نے اپنی اصلیت . . . .

انور ــ سلیمہ

سلیمہ (آواز بھرّا جاتی ہے) تم نے اس وقت جو نشتر زنی کی ہے اس کا مجھ پر
کوئی اثر نہیں ہوا۔ (رونے لگتی ہے) بالکل اثر نہیں ہُوا۔ تمہاری کامیابی نے
میری ناکامی کا جی بھر کے منہ چڑا لیا ہے۔ اب جاؤ۔ خوشی خوشی اپنے گھر چلے
جاؤ۔ آئے تھے وہاں سے ہمدردی کرنے ــ ہمدردی ــ جاؤ اس ہمدردی
کو اپنے ساتھ لے جاؤ . . . میرے بوٹ کے تلے ابھی اتنے کمزور نہیں
ہوئے جو مجھے تمہاری اس ہمدردی کی ضرورت ہو (پھوٹ پھوٹ
کر رونا شروع کر دیتی ہے) مجھے کسی کی پرواہ نہیں!

مجھے کسی کی پرواہ نہیں، تم سب سمجھتے ہو کہ میں تنہا ہوں، بے یار و مددگار ہوں۔ اپاہج ہوں (روتے روتے ہنستی ہے) اس لیے تم مجھے خیرات کے طور پر اپنی ہمدردی کے سو کھے ٹکڑے دیتے ہو۔۔ میں، میں نہیں چاہتی یہ بھیک۔۔۔ میں نہیں لینا چاہتی یہ۔۔۔ یہ خیرات۔۔۔ جاؤ۔۔۔ جاؤ۔۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ ۔۔۔۔ (بہت زور سے رونا شروع کر دیتی ہے)

انور۔ جاتا ہوں۔۔۔ جاتا ہوں۔۔۔ لیکن سلیمہ خدا گواہ ہے کہ میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا ـــــ

سلیمہ۔ جاؤ، جاؤ۔۔۔ میں کچھ سننا نہیں چاہتی۔

انور (افسردگی کے ساتھ) بہت بہتر، چلا جاتا ہوں۔

(قدموں کی چاپ۔ اس کے ساتھ ساتھ سلیمہ کی سسکیاں آہستہ آہستہ)

ـــــ فیڈ آؤٹ ـــــ

انور کا باپ۔ تم نے یہ بڑی عجیب و غریب کہانی سنائی۔

انور۔ ابّا جی، کہانی نہیں۔ یہ حقیقت ہے۔

انور کا باپ۔ کہاں رہتی ہے یہ لڑکی ـــــ؟

انور۔ معلوم نہیں۔ کہاں رہتی ہے۔ کلاس میں کسی کو بھی اس کے گھر کا پتہ معلوم نہیں تھا۔ میں نے کئی بار اُس سے پوچھا مگر اس نے بڑی صفائی سے ٹال دیا۔

انور کا باپ۔ کالج چھوڑ دیا کیا اس نے؟

انور۔ معلوم نہیں۔ آج تقریباً چھ مہینے کے بعد بمبئی سے یہاں آیا ہوں لیکن میرا خیال ہے اس نے تعلیم ترک نہیں کی ہوگی بہر حال آج کسی سے پتہ لگاؤں گا۔۔۔ میں اس

سے ایک بار پھر ملنا چاہتا ہوں ۔۔ میری باتوں سے اُسے بہت دکھ پہنچا تھا اباجی ۔۔۔ میں اس سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔

(نوکر اندر داخل ہوتا ہے)

انور۔ چھوٹے صاحب، ایک لڑکا آپ کے نام خط لایا ہے۔

انور۔ خط !

انور کا باپ ۔(نوکر سے خط لے کر) لو یہ رہا۔

انور (کھولتا ہے (وقفہ) سلیمہ .... اباجی وہی سلیمہ

انور کا باپ ۔کیا لکھتی ہے ؟

انور (گھبراہٹ ہیں) مسٹر انور ۔۔۔۔ میں مرنے کے قریب ہوں، آپ سے ملنا چاہتی ہوں

راقم "سلیمہ"

انور کا باپ ۔ مرنے کے قریب ہے جاؤ، انور بھاگ کر جاؤ۔

نوکر ۔جو لڑکا خط لایا تھا۔ باہر کھڑا ہے ۔

انور ۔ اسے روک کے رکھو . . . .

انور کا باپ ۔جاؤ، میری موٹر لے جاؤ۔ باہر کھڑی ہے ۔

انور ۔کیا ہوا اسے ؟ . . . میں جاتا ہوں۔

(قدموں کی تیز آواز ۔۔۔ دروازہ ۔۔۔ موٹر اسٹارٹ ہوتی ہے پھر چلتی ہے ۔چند لمحات کے بعد یہ آواز فیڈ آؤٹ کر دی جائے)

(دروازہ کھولنے کی آواز)

انور۔ سلیمہ، سلیمہ، کہاں ہو تم ..... ارے ـــــ سلیمہ!

سلیمہ (خفیف آواز میں) آجاؤ ـــــ ادھر میرے پاس آجاؤ ـــــ

انور۔ میری سمجھ میں نہیں آتا... کیا ہوا انہیں ـــــ تم ... تم ـــــ!

سلیمہ۔ میں بے حد کمزور ہو گئی ہوں ... ہے نا؟ ... مجھے معلوم تھا تم یہیں ہو گے لیکن نہیں۔ میں ابھی کچھ دیر زندہ رہوں گی، مجھے تم سے چند باتیں کرنی ہیں ـــــ بیٹھ جاؤ ـــــ ادھر ہی بیٹھ جاؤ۔

انور۔ میں ... میں ـــــ!

سلیمہ۔ تمہیں حیرت ہو رہی ہے اس غلیظ کمرے کو دیکھ لو اسے نہ دیکھو۔ یہاں جس شے کو بھی دیکھو گے تمہیں حیرت ہو گی سب سے بڑی حیرت انگیز چیز تو میں ہوں سے مجھے دیکھو اور جتنا حیرت زدہ ہونا چاہو ۔ ہو لو۔

انور۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں کسی قدر سمجھ رہا ہوں۔

سلیمہ۔ خود سمجھنے کی کوشش نہ کرو، مجھے سمجھانے دو ـــــ میں تمہیں اس دفعہ فلسفے کے دقیق نکتے نہیں سمجھاؤں گی۔ یہ کتابوں کی الجھی ہوئی باتیں نہیں میرے دل کی تحریر ہے جو بے حد شکستہ خط میں لکھی گئی اور کسی سے نہ پڑھی گئی۔ سچ پوچھو تو جان بوجھ کر میں نے اس بدخطی سے کام لیا، ـــــ میری آواز زیادہ کمزور تو نہیں سن رہے ہو نا ـــــ

انور۔ سن رہا ہوں ـــــ

سلیمہ۔ انور میری کشتی پاش پاش ہو چکی ہے ـــ پیندے اور پتواروں کے بغیر اسے کئی برس منجدھار میں کھیتی رہی ہوں مگر اب یہ کشتی ہی نہیں رہی ۔ اس کو

کھینے کی قدرت اب بھی میرے بازوؤں میں موجود ہے لیکن میں اب اسے اپنے
ساتھ قبر میں لے جاؤں گی۔ انور! کیا وہاں بھی ایسی ہی ٹوٹے ہوئے چپیدے اور
پتواروں کے بغیر کشتیاں ملیں گی؟۔ وقفہ — تم بولتے کیوں نہیں —
تمہاری آنکھوں میں آنسو کیوں تیر رہے ہیں — میری طرف دیکھو، میری آنکھیں
تو بالکل خشک ہیں — ہیں نا؟

انور۔ ہاں بالکل خشک ہیں!

سلیمہ۔ میں اپنی اس ٹوٹی ہوئی کشتی کے لیے اِدھر اُدھر سے چند چیتھڑے اکٹھے کر کے
بادبان بناتی رہتی ہوں لیکن طوفانوں نے بڑی بے رحمی سے ان کو چیر پھاڑ دیا۔ انور
یہ طوفان اس قدر بے رحم کیوں ہوتے ہیں — انہوں نے کیوں اتنا نہیں
سوچا کہ اس لڑکی کے پاس مضبوط کپڑا حاصل کرنے کے لیے دام نہیں تھے۔
انور! میں نے یہ طاقت تسلیم کی ہے پھر یہ ظلم کیوں؟ میں اس اندھیری کوٹھڑی
میں تن تنہا مشقت کرتی رہی ہوں۔ میں نے کسی کے آگے دامن نہیں پھیلایا
کیا یہ جرم تھا جو اس کی اتنی کڑی سزا مجھے دی گئی؟ میں نے اپنے تمام لطیف
جذبات نکال کر باہر پھینک دیئے کہ یہ میرے راستے میں حائل ہوں گے۔
میں نے بھوک اور پیاس سہی۔ میں نے اور بہت سی تکلیفیں برداشت کیں
صرف اس لیے کہ میں ایک بار امتحان پاس کر لوں گا اور خود کمانے کے قابل
ہو جاؤں... لیکن ان تمام قربانیوں کا انجام یہ ہے سوکھے ہوئے ہونٹ
گالوں کی ابھری ہوئی ہڈیاں اور اندر دھنسی ہوئی آنکھیں۔ ان تمام قربانیوں
کا انجام یہ ڈراؤنا بھوت ہے جو تمہارے سامنے لیٹا ہے...

(وقفہ)

میں تھوڑی دیر کے بعد سو جاؤں گی۔ وہ کویا جو میں اتنی دیر اپنی زندگی کی بھٹی میں سرخ کر کے کوٹتی رہی اب خود بخود مڑ کر قبر کے دہانے کی طرف جا رہا ہے انور! کیا وہاں بھی مجھے یہی بھٹی سلگانی پڑے گی۔ کیا وہاں پہنچکر یہ لوہا خود بخود مڑ کر کسی اور کے دہانے کی طرف تو نہیں چلا جائے گا۔ بولو ـــ مجھے جواب دو۔۔۔۔

انور۔ بڑے بڑے عالم ہی ایسی باتوں کا جواب دے سکتے ہیں۔

سلیمہ۔ کاش! تم ایسے عالم ہوتے۔۔۔ اب میں کیا کروں۔۔۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ تم نے تو میری کسی بات کا جواب نہیں دیا۔

انور۔ کیا چاہتی ہو تم؟ ـــ

سلیمہ۔ میں مر رہی ہوں اور تم نے مجھے کچھ نہیں بتایا ـــ اب ایسا کرنا کہ میری دو سبز ساڑھیاں اور یہ ساری کتابیں جو یہاں بکھری پڑی ہیں اٹھا کر میرے ساتھ ہی دفن کر دینا۔ ممکن ہے وہاں یہ چیزیں اور بھی زیادہ مہنگی ملیں میں نے بڑی مصیبت سے یہاں سے خریدی تھیں ـــ اور دیکھو کسی اور کو میری موت کی خبر نہ ہو ـــ چپکے سے مجھے کہیں دفنا دینا۔ اب مجھ سے زیادہ بولا نہیں جاتا ـــ میرا خیال ہے کہ مجھے اور بھی کچھ کہنا تھا ـــ

انور۔ یاد کرلو ـــ (ایک دم تشویش کے ساتھ) سلیمہ!

سلیمہ۔ ہاں ۔۔۔ انور میرے دماغ پر دھند سی چھا رہی ہے ـــ سبز ساڑھیاں میرے اردگرد لپیٹی جارہی ہیں ـــ کتابوں کے ورق پھڑپھڑا رہے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے ایک خاموش سی آندھی چل رہی ہے کشتی کا

پیندا ٹوٹا جارہا ہے ـــــ پتوار ندارد ـــــ انورؔ ـــــ سو گئے کیا؟

انور۔ نہیں ـــــ سلیمہ ـــــ تمہاری آنکھیں بند ہورہی ہیں ـــــ

سلیمہ۔ ہاں۔ میری اپنی آنکھیں بند ہورہی ہیں۔ لو اب میں رخصت چاہتی ہوں ـــــ مجھے معاف کر دینا ـــــ ہاں مجھے وہ بات یاد آگئی ـــــ انور سن رہے ہو؟

انور۔ سن رہا ہوں سلیمہ!

سلیمہ۔ تم بہت اچھے ہو ـــــ بس مجھے یہی کہنا تھا کہ تم بہت اچھے ہو... تم بہت ہی اچھے ہو...

(آواز دھیمی ہوجاتی ہے)

فیڈ آؤٹ

سعادت حسن منٹو

منٹو نہ تو کسی کو شرم دلاتا ہے نہ کسی کو راہِ راست پر لانا چاہتا ہے۔ وہ تو بڑی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ انسانوں سے یہ کہتا ہے کہ تم اگر چاہو بھی تو بھٹک کے بہت دُور نہیں جاسکتے" اس اعتبار سے منٹو کو انسانی فطرت پر کہیں زیادہ بھروسہ نظر آتا ہے۔

محمد حسن عسکری

"منٹو نے زندگی کے زہراب کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ چھوا ہے، چکھا ہے اور اب وہ ایک نشتر بن کر سماج کے فاسد مادے کو خارج کرنا چاہتا ہے۔ مریض چیختا ہے، چلّاتا ہے، بین کرتا ہے، منٹو کو اس کی پروا نہیں وہ اس قدر بےرحم ہے کہ کلوروفارم دینا بھی پسند نہیں کرتا۔

کرشن چندر

"منٹو آدم کی جرأت گناہ کا قائل ہے۔ منٹو کا انسان نوری ہے نہ ناری، وہ آدمِ خاکی ہے ——— وہ وجود خاکی جس میں بنیادی گناہ، فساد، قتل وخون وغیرہ کے باوجود۔ خدا نے نوری فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں۔

ممتاز شیریں